جملہ حقوق محفوظ

وقتِ فرصت کو غنیمت جان اے غافل سدا
آج کل پر ٹال مت تو اپنے ہر اک کام کو

آج کل

جسے

محترمہ محمدی بیگم صاحبہ مرحومہ

سابق اڈیٹر اخبار تہذیب نسواں نے لکھا

سنہ ۱۹۳۱ء

دار الاشاعت پنجاب لاہور

قیمت ۲/۳ ... ی

بار پنجم

T.T.F LIB
No: 20

Taj Tahir Foundation

T.T.F LIBRARY
No: 205

آج کل

بہت پُر درد ہے اپنی کہانی
سُناؤ تو سنائیں ہم کہیں سے

میری ہم جنس بہنیں ذرا توجہ کے ساتھ میری کہانی سنیں۔ اور میرے قصے سے عبرت حاصل کریں۔ مجھ میں جو جو عیب و ثواب ہیں۔ میں بلا پس و پیش اپنی بہنوں کے سامنے ظاہر کردوں گی۔ مجھے اس بات کا کچھ خیال نہیں۔ کہ اپنی بُرائیاں بہنوں پر جتا کر خود اُن کی نظروں میں سُبک ہو جاؤں گی۔ مجھے اتنی اُمید ضرور ہے۔ کہ میری ناکامیاں میری بہنوں کو عبرت دلا کر ضرور اُن کے دلوں میں ان باتوں کی طرف سے نفرت پیدا کردیں گی۔ جو باتیں میری تباہی کا باعث ہوگئیں۔ مجھے خدا نے وہ ذہن عطا کیا ہے۔ کہ اپنا تمام قصہ اور ہر ایک ناکامی

Taj Tahir Foundation

ابتدا سے لے کر انتہا تک نوک زبان ہے۔ اور اپنا تمام حال بڑی اچھی طرح قلم بند کر سکتی ہوں + مگر افسوس اس وقت میری جو حالت ہے۔ وہ مجھے مشکل سے چند واقعات لکھنے کی اجازت دیتی ہے۔ اس سے زیادہ کی ہوس کروں۔ تو یقیناً چند ضروری باتوں کے بیان سے بھی محروم رہ جاؤں گی *

بیبیو مجھ میں سب عادتیں اچھی تھیں + ذہن خدا نے مجھے ایسا عطا کیا تھا۔ کہ میرے والد اس بات پر ناز کرتے تھے۔ اور کہتے تھے اگر میری بیٹی بیٹا ہوتی۔ تو بے شک ملک میں میرا نام روشن کرتی *

میرا جنم کا نام تو سلطان جہاں تھا۔ مگر میرا ذہن رسا دیکھ کر میرے والد اور والدہ مجھے فہمیدہ کہنے لگے + خدا نے عقل اور سمجھ مجھ میں کُوٹ کُوٹ کر بھری تھی + مَیں جب اپنے باپ کے پاس بیٹھتی۔ اور وہ مجھ سے چھوٹے چھوٹے سوال پوچھتے۔ تو مَیں سوچ کر اُن کو ایسے ٹھیک جواب دیتی۔ کہ وہ دنگ رہ جاتے۔ اور حیران ہوتے۔ کہ اتنی سی عمر میں اسے اس قدر عقل اور سمجھ کس طرح آگئی +

ماں باپ کو تو اپنے بچّوں کی ہر ایک بات یُوں بھی بھلی معلوم ہوتی ہے۔ اور جب پھر بچّے سمجھ سے بڑھ کر دماغ سے اُتار اُتار کر باتیں کریں۔ تو پھر ماں باپ جسقدر خوش ہوں کم ہے + میرے ابّا جان

کا یہ حال تھا۔ کہ جب ان کے پاس کوئی دوست آتا۔ تو وہ قصداً میرا ذکر اُس سے کرتے۔ اور بعض دفعہ تو مجھے گھر میں سے بُلا کر لے جاتے اور اپنے دوستوں کو میرے یاد کئے ہوئے شعر سُنواتے۔ اور اَوْر باتیں بتاتے + غرض گھر بھر میں مَیں ایک چیز سمجھی جاتی تھی۔ اور بھائیوں سے زیادہ میری تعریفیں ہوتی تھیں + اس پر میری اعلےٰ تعلیم جو والد نے مجھے دلوائی سونے پر سہاگے کا کام کر گئی + عربی فارسی دونوں غیر زبانیں تھیں۔ مگر مَیں سولہ برس کی عمر میں ایسی فارسی بولتی اور عربی پڑھتی تھی۔ کہ سُننے والے عش عش کرتے تھے + میری ماں بڑی لایق بڑی صاحبِ شعور بیوی زن تھیں + سینے پرونے دستکاری میں اپنا نظیر نہ رکھتی تھیں + پھر بھلا یہ کب ممکن تھا۔ کہ وہ مجھے کچھ نہ سکھاتیں؟ اُنہوں نے مجھے سب کچھ سکھایا۔ اور میری جدّتِ طبع نے دستکاری کے نمونوں میں نئے نئے ایجاد کر کر کے۔ میرے تجربے کو ماں سے بھی بڑھا دیا + اب کیا تھا۔ اب تو اپنے گھر بھر میں مَیں ہی مَیں تھی + بہنوں میں ذہین لائق فائق ہوشیار سب کچھ تھی۔ مگر مجھ میں ایک سخت عیب تھا۔ جس نے افسوس میری تمام علمیت لیاقت اور ذہانت پر پانی پھیر دیا۔ وہ عیب کیا تھا؟ وہ یہ کہ مَیں آج کا کام کل پر ڈالے رکھتی تھی۔ ماں باپ کے گھر میں تو اس عادت نے مجھے کچھ نقصان نہیں پہنچایا مگر جب

Taj Tahir Foundation

دوسرے گھر کی ہوئی تو اس سے جو کچھ نقصان پہنچا میرا دل ہی جانتا ہے اسے تم بھی سُن کر افسوس کرو گی۔ لو سُنو ٭

میرا بچپن جو میری اور میرے ماں باپ کی بے فکری کا زمانہ تھا جلد بہار صبح کی طرح گزر گیا + میرے ہوش سنبھالتے ہی اُنہیں میرے رشتہ کا فکر پیدا ہُوا۔ سب سے زیادہ فکر اس بات کا تھا کہ جیسی مَیں خود لایق ہوں۔ ایسا ہی لڑکا ملے تو اُس سے مجھے منسوب کیا جائے۔ سو خدا نے میرے والد کی کوشش میں کامیابی دی اور میرا ہمسر جوڑا اُنہوں نے ایسا تلاش کیا کہ جو مجھ سے بدرجہا لایق اور ہونہار تھا۔ اور مجھ میں جو یہ سُستی اور کاہل وجودی کی بدعادت تھی وہ اس سے کوسوں دُور تھا۔ جب اُس نے میری لیاقت و علم و ہنر کی ہر ایک سے تعریف سُنی تو اُس نے بھی نہایت شوق اور آرزو سے میرے ساتھ نسبت ہو جانی پسند کی۔ وہ ایک بڑا صاحب جائداد اور پوتڑوں کا امیر کبیر تھا اور اس رشتے کے لئے بہت کچھ صرف کر دینے پر آمادہ تھا + ایک تو وہ خود لائق۔ دوسرے حسب نسب سے درست۔ تیسرے دولتمند میرے والد کو اس کی درخواست منظور کرنے میں کچھ عذر نہ ہُوا۔ مگر جیسا بیٹی والوں کا دستور ہے معمولی بے اعتنائی دکھاتے رہے ٭ جس شخص سے میری بات ٹھہری تھی۔ وہ اس نسبت کے لئے

دل و جان سے خواہشمند و خواہاں تھا۔ مگر یہ خبر نہ تھی کہ ایک دن یہی شوق وبال جان ہو کر مصیبت کا گھر بن جائے گا۔ اور مجھ میں جو موجود خوبیوں کے ساتھ ایک بُرائی کا کانٹا لگا ہوا ہے وہ آنکھوں میں خار ہو کر چُبھے گا۔ اور میری تمام خوشیوں اور وابستہ اُمیدوں پر پانی پھیر دے گا۔ لیکن چونکہ تقدیر سے میرا گٹھ جوڑا اُس کے ساتھ بندھا ہُوا تھا۔ وہی ظہور میں آیا۔ دُنیا کی رسم و رواج کے موافق اسی سے میرا عقد بندھ گیا۔ اُس نے بڑی دھوم دھام سے شادی رچائی۔ اور خوشیاں منائیں بڑے چاؤ اور بڑے ارمانوں سے مجھے بیاہ کر اپنے عالیشان محلات میں لے جا بسایا۔ اور زبان حال سے کہتے تھے ؎

لائے اس بُت کو التجا کر کے　　کفر توڑا خدا خدا کر کے

فصل دوم

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

مجھے بیاہ لانے کی انہیں ایسی خوشی تھی جیسے ہفت اقلیم کی بادشاہت مل گئی۔ وہ میری قابلیت کی بابت بہت کچھ سُن چکے تھے۔ اب باتوں باتوں ہی میں میرا امتحان لینا شروع کیا۔ کبھی فارسی کے مشکل مشکل

اشعار میرے سامنے پڑھتے اور پوچھتے تمہیں ان میں کون سا پسند ہے
کبھی پوچھتے بھلا اس مضمون کا کوئی اُردو شعر سناؤ تو جانیں۔ یہاں اس
قسم کی باتیں نوک زبان تھیں۔ میں وہ جواب دیتی کہ ششدر رہ جاتے
شعروں کا جواب شعروں میں۔ ضرب المثل کا جواب ضرب المثل میں
غرض کہ جب اُنہوں نے مجھے شنید سے زیادہ دید میں پایا۔ تو اُن کی
محبت کا کچھ ٹھکانا نہ رہا۔ وہ مجھ سے اس قدر محبت کرتے۔ اور میرے
اس درجہ ناز اُٹھاتے کہ اس سے بڑھ کر ممکن نہیں۔ میں ان کے
ہاتھوں میں تھی۔ وہ مجھے پھول پان کی طرح رکھتے۔ اور مجھ پر جان
چھڑکتے تھے۔ ہر وقت نوکر چاکر دست بستہ میرے سامنے حاضر۔ کیا
مجال کہ میں ہل کر پانی تو پی لوں۔ ہل کر پانی پینا تو درکنار جب چاندی
کے کٹوروں میں میرے لئے پانی آتا۔ تو اس پر کا سرپوش بھی خادمیں
اُتارتی تھیں۔ میں کٹورا یا گلاس ہاتھ میں تھام کر منہ سے تو ضرور لگا لیتی۔
میرے لبوں پر جو پانی پینے میں کسی قدر تری لگ جاتی۔ اُسے بھی ایک
دوسری خادمہ رومال سے جھٹ پونچھ دیتی۔ یا اگر میرے شوہر بیٹھے ہوتے
تو وہ ہی پونچھ دیتے تھے۔ اس قسم کی زندگی میں میری کاہل وجودی کا
عیب پورے طور پر چھپ گیا۔ اور اب تو میں باپ کے گھر سے بھی بدرجہا
احدی بن گئی۔ وہاں مجھے بہت سے کام اپنے اور اپنے بہن بھائی ماں

باپ کے اپنے ہاتھوں کرنے پڑتے تھے + تساہل کرتی تھی۔ تو اماں جان کی گھرکیاں کھاتی تھی۔ یہاں ہاتھ ہلانے کی ضرورت نہ تھی + البتہ زبان تو ضرور ہلانی پڑتی تھی۔ مگر اب رفتہ رفتہ مجھ میں اس قدر کاہلی پیدا ہونے لگی۔ کہ مَیں زبان ہلاتے بھی الکساتی تھی + میری آنکھوں کے سامنے کوئی چیز پڑی خراب ہُوا کرتی۔ خود اُٹھ کر سنبھالنا تو درکنار مجھے خادموں سے بھی یہ کہتے الکس آتی تھی۔ کہ تم اس چیز کو اُٹھا کر سنگوا دو +

بیاہے آئے مجھے چھ ماہ ہوگئے + اس عرصے میں ابا جان نے کئی دفعہ بُلایا۔ مگر مَیں اس آرام کو چھوڑ کر کب جانے والی تھی۔ کوئی نہ کوئی عذر کر دیا + دوسرے میرے شوہر کو بھی میری جُدائی بہت شاق تھی اُنہوں نے بھی بہت التجا کی۔ کہ ابھی چند روز اَور یہاں ٹھہرنے کی اجازت دیجیے + اماں جان کو اس بات سے ملال ہُوا۔ اور جب مَیں اپنے بھائیوں کی پہلی خوشی میں بھی نہ گئی۔ اور یہاں سے تحفہ تحائف ہی بھیجنے پر اکتفا کیا تب وہ مجھ سے بہت رنجیدہ ہوگئیں + اُنہوں نے مجھے خط لکھنا چھوڑ دیا + یہاں پہلے ہی خط و کتابت سے دم اُلجھتا تھا۔ وہی مثل ہوئی۔ کہ چوروں نے گٹھڑی لی۔ بے گاریوں نے چھٹّی پائی + دو ماہ تک مجھ بیوقوف سُست الوجود نے اُن کو ایک کارڈ تک نہ لکھا + یہ اس لئے نہیں۔ کہ خدانخواستہ مجھے والدین سے اُلفت نہ تھی۔ بلکہ محض سہل انگاری

سے ہمیشہ یہ سوچتی۔ کہ صبح ہوتے خط لکھوں گی۔ پھر کہتی دن میں لکھوں گی۔
اور جب میرے شوہر میرے پاس ہوتے۔ تو وہ یہ پسند بھی نہ کرتے تھے
کہ میں ان کے ہوتے سوائے اُن کے کسی اَور طرف متوجہ ہوں۔ اُنہیں
اس بات سے بہت چڑ تھی۔ کہ وہ گھر میں آئیں۔ اور مَیں لکھنا پڑھنا یا سینا
پرونا ہاتھ میں لئے ہوں۔ کئی دفعہ میری دواتیں پھینک دیں۔ اور
کتابیں پھاڑ دیں۔ غصّے سے نہیں محبّت کے ساتھ۔ مَیں بھی ان کے
اس محبّت آمیز عتاب سے خوش تھی۔ اور آخر کو مَیں نے اُن کی موجودگی
میں تفریحاً بھی کوئی کام ہاتھ میں لینا چھوڑ دیا۔ البتہ جب مَیں اور وہ
ایک جگہ بیٹھتے۔ تو علمی مضامین پر خوب دلچسپ تقریریں ہوتیں۔ اور
اس شغل کو میرے شوہر دل سے پسند کرتے۔

یہ عجیب بات تھی۔ کہ جسقدر مَیں کاہل وجود تھی۔ وہ اُسی قدر چست و
چالاک اور مستعد تھے۔ مجھے کام نہ کرنے دیتے۔ مگر خود کر لیتے تھے۔ آخر
مَیں بھی کچھ سمجھ رکھتی تھی۔ بالکل بچّی نہ تھی۔ بعض وقت شرمندہ بھی ہو جاتی
تھی۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مَیں اپنی جوتیاں غسل خانے میں چھوڑ آئی۔
جب مجھے کمرے سے باہر جانے کی ضرورت ہوئی۔ تو مَیں نے خادمہ
سے کہا دیکھنا میری جُوتی کہاں ہے؟ خادمہ اِدھر اُدھر کے دروازوں
میں دیکھنے لگی۔ میرے شوہر نے میری جُوتی غُسلخانے میں پڑی دیکھی تھی

اور اس وقت وہ ایک کتاب دیکھ رہے تھے۔ اُنھوں نے کتاب بند کر کے میز پر رکھی۔ اور خود غسل خانے میں سے میری جوتیاں لا کر چوکھٹ کے پاس رکھ دیں + مَیں خجالت سے پانی پانی ہو گئی۔ نوکر چاکر حیران رہ گئے + مَیں نے بہت کچھ عذر معذرت کی۔ مگر جس قدر مَیں افسوس کرتی تھی۔ وہ اسی قدر زیادہ انکسار کے الفاظ استعمال کرتے۔ اور اس خدمت کو اپنے لئے راحت ہونا ظاہر کرتے تھے + مَیں نے اپنے دل میں سوچا کہ اگر اس طرح ان کی جُوتی میری نظر میں ہوتی۔ تو مَیں خود اُٹھ کر کبھی نہ دیتی۔ بلکہ کسی ملازمہ سے منگا دیتی۔ یہ سوچ کر مَیں دل ہی دل میں اپنے آپ کو ملامت کرنے لگی +

کئی دفعہ ایسا بھی ہُوا۔ کہ بات چیت کرتے میں کسی کتاب کا ذکر آ گیا۔ اور مَیں نے کہا فلاں کتاب میں یوں لکھا ہے۔ اُسے سُنتے ہی وہ خود اُٹھے اور الماری میں سے کتاب نکال لائے +

اُن کی اس مستعدی کو دیکھ کر مَیں شرماتی بھی۔ اور کبھی اس بات کا خوف بھی کرتی۔ کہ ایسا نہ ہو۔ میری حد سے سوا کاہلی کچھ رنگ لائے اور مجھے کسی اَور درجے کو پہنچائے + مگر جب مَیں دل سخت کر کے کبھی کسی کام کو اُٹھتی بھی۔ تو میرے شوہر کچھ ایسی باتیں کرتے۔ کہ میرے دل سے یہ خوف فوراً دور ہو جاتا۔ کہ کام کاج نہ کرنے سے وہ کبھی ناخوش بھی ہوں گے +

فصل سوم

رفتہ رفتہ خدا نے مجھے صاحبِ اولاد کر دیا۔ میرے ہاں پہلے پہل کا لڑکا پیدا ہُوا اور وہ بھی اس قدر خوبصورت کہ ہاتھ لگائے میلا ہوتا تھا۔ میرے شوہر کا نام یعقوب تھا۔ بچّہ چونکہ نہایت حسین تھا۔ اس وجہ سے۔ اور دوسرے اس وجہ سے بھی کہ یعقوب علیہ السلام کے بیٹے کا نام بھی یوسف تھا۔ میرے بچّے کا نام حسن یوسف رکھا گیا۔ اب تو میرے شوہر کی گرویدگی کی کوئی حد نہ رہی۔ جو تھوڑا بہت وقت علمی بحث و مباحثہ اور بات چیت میں صرف کیا کرتے تھے۔ جس سے اُنہیں کمال شوق تھا۔ اب وہ بھی چھوڑا۔ اور تمام علمی دلچسپیوں کو یوسف کی صورت اور غوں غاں پر قربان کر دیا۔

بہت دفعہ وہ مجھے کہتے۔ کہ بیگم جب سے تمہیں بیاہ کر لایا ہوں۔ بے شبہ مَیں بہشت میں آگیا ہوں۔ مَیں اُن کی اس تعریف سے دل میں بہت شرمندہ ہوتی۔ مَیں سوچتی تھی کہ میری لیاقت اور قابلیت کس کام کی۔ جس سے نہ مجھے نفع نہ میرے شوہر کو نہ اہلِ دُنیا کو۔ اس خیال سے مَیں اپنے آپ کو حقیر جانتی۔ مگر سُستی کی عادت کچھ نہ کرنے دیتی۔

مجھے بیاہے آئی کو ایک سال ہو گیا۔ قسم کے برابر ہے کہ مَیں نے

کبھی گھر کی کسی چیز کو خود سنبھالا یا دیکھا بھالا ہو + جس مکان میں مَیں رہتی تھی۔ وہ ایک عالیشان محل سہرائے تھی۔ مگر میری سُستی کا یہ عالم تھا۔ کہ مجھے آٹے برس دن گزر گیا۔ پر مَیں نے اس مکان کو اب تک پورا دیکھا تک نہ تھا + ہمیشہ ارادہ کرتی رہی۔ کہ اس کی اُوپر منزلوں کو بھی دیکھوں گی۔ مگر سب فضول +

کپڑے لتّے کی ضرورت ہوتی۔ میرے شوہر بزازوں کو بُلاتے میرے سامنے تھانوں کا ڈھیر لگ جاتا۔ اور کچھ کپڑے میری پسند کے اور کچھ اپنی پسند کے میرے لئے خرید دیتے۔ بزاز بل بنا کر حاضر کرتا میرے شوہر دام دے دیتے + درزی آتا۔ سب کپڑے لے جاتا۔ اور سی کر دے دیتا۔ نوکریں چاکریں سنگوا دیتیں۔ اور مَیں وقت پر پہن لیتی + کھانے پکانے سے مجھے کوئی سروکار نہ تھا +

اس اندھا دھند میں نوکر چاکر اندر باہر خوب لُوٹتے + کبھی ان کی لُوٹ گھسوٹ ظاہر ہو جاتی۔ اور مَیں اپنے شوہر سے افسوس کے ساتھ بیان کرتی۔ تو وہ بے پروائی سے جواب دیتے کہ کچھ پروا نہ کرو۔ خدا کا دیا بہت کچھ ہے۔ تمہاری جوتیوں کی خیرات یہ لوگ بھی اپنا پیٹ پال لیتے ہیں + ان کا یہ کہنا پھر مجھے ڈھیٹ کر دیتا۔ اور بقول "مال مفت دل بےرحم"۔ مَیں اپنا نقصان ہوتا اپنی آنکھوں دیکھتی اور ذرا نہ کڑھتی +

وہ تو میری تقدیر کو ساس نند خسر زندہ نہ تھے۔ ورنہ اگر اُن کے گاڑھے پسینے کی دولت میں یوں پلنگ پر بیٹھ کر لٹاتی۔ تو وہ مجھے لٹانے دیتے؟ اگر سسرال والوں کی مدارات۔ گھر بار کی دیکھ بھال نہ کرتی۔ تو بلبیسیوں نام دھرتیں۔ اور کیا عجب کہ میاں صاحب کے دل سے بھی اُتار دیتیں ؃

یا اگر میرے شوہر ایسے بھولے اور سیدھے سادے نہ ہوتے۔ تو وہ خود بھی خیال کرتے۔ کہ میں نے جو شادی کی۔ تو اس سے مجھے فائدہ کیا ہوا؟ شادی خانہ آبادی ہوتی ہے۔ مگر میرے لئے تو خانہ بربادی ہوئی اُلٹا خرچ بڑھا۔ اور میں کاٹھ کا اُلّو بن گیا+ مگر افسوس میرے شوہر نے میرے ساتھ بے حد محبّت کر کے میرے حق میں کانٹے بوئے۔ اور میری اس بدعادت کو جسے میرے والدین تک یہ کہتے تھے۔ کہ بیاہ کر خود بہ خود جاتی رہے گی۔ خوب اچھی طرح پختہ کر دیا۔ اور ایسا پختہ کہ بعد میں ہر چند میں نے کوشش اور ہمّت کی۔ مگر یہ بُری لت مجھ میں سے نہ گئی پر نہ گئی ؃

والدین کو اپنے سے زیادہ اولاد عزیز ہوتی ہے۔ چنانچہ میں نے دیکھا کہ میرے شوہر کی بھی یہ دلی خواہش تھی۔ کہ میں گھر بار کا یا خود اُن کا کچھ فکر نہ کروں۔ مگر یوسف کو نوکروں کے ہاتھوں میں نہ ڈالوں۔ اور

اس کی دیکھا بھالی کا کام اپنے ہی ذمّے رکھوں + وہ خود کئی دفعہ یوسف کا ہاتھ مُنہ خود صاف کرتے۔ اور کبھی کبھی اپنی نگرانی میں اُسے نہلواتے تھے۔ مگر مجھ سے جہاں ہل کر پانی پینا بھی شاق تھا۔ وہاں یوسف کا بھی کچھ کام نہ ہو سکتا تھا۔ گویا میری کاہل وجودی مہرِ مادری پر سبقت لے گئی + مَیں بچّے کو نوکروں کے ہاتھ میں بُری گت سے دیکھتی۔ اور دل میں کڑھتی۔ مگر نہ مجھ میں اتنی ہمّت تھی۔ کہ خود اُسے سنبھالتی۔ نہ اتنی توفیق تھی۔ کہ نوکروں ہی کو مناسب ہدایت کرتی اور اُن پر نگراں رہتی + بہنو یہ وہ مقام ہے جہاں سے میری زندگی پلٹا کھاتی ہے۔ اور میری قسمت نیا رنگ دکھاتی ہے +

فصل چہارم

میرے عیش و آرام کا یہ حال تھا + گھر کی نقد و جنس کو نوکریں گھُن کی طرح کھا کے اُڑائے جاتی تھیں۔ اور باہر کی جاگیر کو کارندے اس طرح چاٹ رہے تھے۔ جیسے مکڑی پتّوں کو چاٹ جاتی ہے + میاں صاحب نے جب سے بیاہ کیا جاگیر کی دیکھ بھال بھی چھوڑ بیٹھے + جو دو چار خیر خواہ نمک حلال ملازم تھے۔ اُن کی خیر خواہی سے کچھ کام چل رہا تھا۔ ورنہ کیا عجب کہ اس اندھیر نگری میں خاک پلّے بھی

Taj Tahir Foundation

نہ رہتا۔

آخر کو جب اندر باہر کی ابتری حد سے سوا گذری۔ تو میرے شوہر کے دوستوں آشناؤں اور ہمدردوں نے ان کے کان کھولنے شروع کئے۔ اور کہا کہ یہ آپ کو ہؤا کیا ہے۔ خیر تو ہے۔ کہیں جہانگیر کی طرح ایک پیالہ شراب اور ایک سیخ کباب پر جاگیر بیوی کے سپرد تو نہیں کر چکے؟ خیر اگر جہانگیر نے ایسا کیا تھا۔ تو نورجہان نے تو اُسے سنبھال بھی لیا ہے۔ اور تمہاری بیوی کا تو کوئی ظہور ہم نے دیکھا ہی نہیں بقولے کہ ؎

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اِک قطرۂ خون نکلا

ان کی قابلیتوں کی بہت تعریفیں سُنی جاتی ہیں۔ مگر وہ قابلیتیں کس کام آئیں گی جب گھر ہی برباد ہو گیا۔ کچھ ہوش کی خبر لو۔ اور گھر بار کی طرف توجہ کرو۔ جاگیر لُٹی جاتی ہے۔ لاکھ حکام میں آپ کی قدر و منزلت ہے۔ مگر بھائی جان گھر بیٹھے پیروں کو بھی کوئی نہیں پوچھتا۔ سینکڑوں جلسے۔ بیسیوں پارٹیاں حکام بالا سے لے کر عام پبلک تک کی ہو گذریں۔ مگر آپ کی صورت کسی میں نظر نہ پڑی۔ حکام بھی انہیں لوگوں کی قدر کرتے ہیں۔ جو ہر وقت اُن کے پیش

نظر رہیں۔ ان کے جلسوں میں شریک ہوں۔ اُن کی تجویزوں میں دل چسپی لیں۔ چندے دیں اور کچھ قومی کام کر کے دکھائیں + ہم نے مانا آپ ایک اعلیٰ التعلیم یافتہ جنٹلمین ہیں۔ مگر ایسی جنٹلمینی کس کام کی کہ نہ اپنے لئے مفید نہ لوگوں کے لئے۔ ذرا ہوش کی خبر لو۔ اور کسی کے کہے پر کان دھرو + آپ تو بڑے سمجھ دار ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ کاروبار کی طرف سے یُوں غفلت اختیار کر رکھی ہے؟ غرض چند دردمند دوستوں آشناؤں کی چیخ پکار نے بارے میاں یعقوب علی کے کان کھولے۔ اور وہ خواب خرگوش سے چونکے + اِدھر بچے کے پیدا ہونے سے خیال ہُوا۔ کہ آج خدا نے ایک بچّہ دیا ہے۔ آیندہ اَور ہوگا۔ اولاد کی پرورش و تربیت کے لئے جب تک کافی روپیہ یا انتظام نہ ہوا۔ تو کس طرح گذر ہوگی؟ غرض گرتے گرتے سنبھلے۔ تو اب چاہا کہ بیوی کو بھی سنبھالیں + کاٹھ کی ہلکی پھُلکی گاڑی بے دو پہیّوں کے نہیں چلتی۔ تو پھر بھلا خانہ داری کی بھاری گاڑی بن میاں بیوی کی مدد کے کیونکر چل سکتی ہے؟ مگر مجھ بیوی کا جو حال تھا۔ سو وہ معلوم ہی ہو چکا ہے +

اگر مَیں پھوہڑ۔ جاہل۔ بے تمیز ہوتی اور کچھ نہ کرتی۔ تو اس کا قلق نہ تھا۔ کیونکہ نہیں آتا نہیں کرتی۔ مگر رنج تو یہ ہے۔ کہ سب

کچھ آتا تھا۔ کھانا پکانا۔ سینا پرونا۔ خانہ داری کا ہر ایک کام۔ مگر ہوتے ہی نہیں تھے۔ اور کیوں نہیں ہوتے؟ صرف کاہلی کی وجہ سے ایسا میرے شوہر نے بھی مجھے دبلے الفاظ میں گھر بار کی طرف توجہ دلانی شروع کی۔ مگر وہ بھی ایسی۔ کہ اگر اُن کی ہدایت پر عمل نہ کروں۔ تو پھر بھی کوئی پرشش نہیں۔ اوّل تو کاہلی میری گھُٹی میں پڑی ہوئی۔ اس پر برسوں کی آرام طلبی۔ یہ کس طرح ممکن تھا۔ کہ ایسے خفیف اشارے مجھے چونکا سکتے؟ مَیں نے کام کی طرف توجہ بھی کی۔ تو ایسی ہی کہ آج کا کام کل پر چھوڑتی تھی۔ اور جب کل ہوتی تو اس کل کا کام پھر اگلے کل پر جا پڑتا۔ اس کل کل کے باعث آخر کو آپس میں دانتا کل کل ہونے لگی۔ اور پُر لطف زندگی نے پلٹا کھالیا ؎

سدا عیش دوراں دکھاتا نہیں
گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

اگرچہ مَیں اپنے تساہل کی خود قائل تھی۔ مگر سچ تو یہ ہے۔ کہ جب اُنھوں نے کسی قدر طعن وتشنیع سے کام لیا۔ تو میری طبیعت بیزار اور دل آزردہ رہنے لگا۔ مجھے ان کی تاکید بُری لگتی تھی۔ اور مَیں اُن کے کہنے پر بہت ہی کم توجہ کرتی تھی۔

ایک روز یوسف بے چین ہو ہو کر روئے جاتا تھا۔ ہر چند مَیں

Taj Tahir Foundation

اور اُس کے ابّا جان۔ انّائیں وغیرہ گود میں لیتے تھے۔ مگر وہ چپکا نہ ہوتا تھا+ کہیں کان سہلاتے۔ کہیں پیٹ سینکتے۔ مگر بچّے کو چین نہ تھا۔ خدا جانے کیا بے کلی تھی+ اس کے والد نے مجھ سے کہا کہ اس کے کپڑے اُتار کر دیکھو۔ ایسا نہ ہو اُسے کچھ کاٹتا ہو+ جب میں نے اُس کے اُوپر کے کپڑے اُتارے تو اُس کے اندر کا بنیان بالکل میلا اور سڑا ہُوا تھا+ جب اُسے اُتارا تو اس کے والد نے فوراً اُسے اُلٹ کر دیکھا+ کیا بتاؤں کہ اس میں کتنی بڑی بڑی جوئیں چل رہی تھیں+ بچّے کا بدن مارے ددوڑوں کے پھُول رہا تھا+ مَیں نے دیکھا۔ کہ اُس وقت میرے شوہر کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور اُنھوں نے مجھ سے کہا۔ کہ بیگم اگر یوسف بن ماں کا ہوتا۔ یا اگر کسی ٹکڑ گدا کا بچّہ ہوتا۔ تو اُس کی یہ حالت قابل رنج نہ تھی۔ مگر تم جیسی عاقل اور قابل ماں کے ہوتے اور اسقدر دولت کے ہوتے ساتے بچّے کا یہ حال سخت ہی تاسف کے قابل ہے+ دیکھو اس کا نازک گلاب کے پھُول سا بدن جوؤں کے کاٹنے سے کیسا ہو رہا ہے+ میری تمام دولت برباد ہو جائے۔ اور مَیں کنگال ہو جاؤں۔ مگر ہوتے ساتے میرے پیارے بچّے کا یہ حال نہ ہو+ اس کے لئے کپڑوں کی کمی ہے؟ میری جان تک اس بچّے پر سے قربان ہے۔ مَیں اسی وقت ایک تھان منگا کر اس کے بنیان سلوا دیتا ہوں۔ مگر اُنہیں کوئی بدلنے

والا بھی ہو + یہ کہہ کر مجھے تو اور کچھ نہ کہا۔ مگر بچّے کی انّا کو بلایا۔ اور علاوہ سخت سُست کہنے کے اُسے دو تھپڑ مارے۔ اور جُرمانہ کیا ؛

انّا پر خفگی کا اظہار اس لہجے سے کیا۔ کہ مجھ پر اس کا بڑا اثر ہوا۔ اور مَیں نے انّا کی تحقیر کو بھی ایک طرح اپنی ہی تحقیر جانی۔ کیونکہ مَیں جانتی تھی۔ کہ وہ غصہ مجھ پر ہے۔ مگر مجھے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ انّا کو بُرا بھلا کہہ کر دل ٹھنڈا کر رہے ہیں ؛

اس واقعہ سے مجھے دل میں بہت ہی ندامت اور ذلّت ہوئی اور اس درجے کو پہنچ کر اب مَیں نے سوچا۔ کہ چاہے کچھ ہی ہو۔ کل سے تو مَیں ضرور یوسف کی خبرداری کا ذمہ اپنے سر لوں گی۔ اور گھرداری کا بھی فکر کروں گی ؛

فصل پنجم

ہر چند میرے شوہر نے مجھے مخاطب کر کے کوئی سخت کلمہ نہیں کہا تھا۔ مگر خود میرے دل کی ملامت ہزار زجر و توبیخ سے زیادہ تھی + رنج سے میرا چہرہ بہت افسردہ ہو گیا۔ اور تھوڑی دیر میں جب میرے شوہر آئے تو اُنہیں میرا مغموم چہرہ دیکھ کر بہت رنج ہوا + وہ مجھے ایسی حالت میں نہ دیکھ سکے۔ اور پاس بیٹھ کر تسلّی دینے لگے۔ کہ تم بُرا نہ مانو۔ دیکھو مَیں تمہارے بھلے کی کہتا ہوں + خدا نے مجھے مال و دولت بہت

Taj Tahir Foundation

دے رکھی ہے۔ اگر تم کسی کام کے سرانجام دینے میں کچھ تکلیف پاؤ۔ تو اپنی مدد کے لئے جسقدر چاہو نوکر چاکر رکھو۔ اور اُن سے کام لو + خیر میں آج سے یوسف کے لئے ایک نرس رکھ لُوں گا۔ پھر تم کو کچھ تکلیف نہ ہوگی ٭

اُن کی اس تقریر نے مجھ ڈھیٹ بدنصیب کو پھر چکنا گھڑا کردیا اور جو ذرا اُبھار رنج و ملال تھا۔ وہ بھی جاتا رہا ٭

رات گذری صبح ہوگئی۔ اور کل سر پر آن پہنچی۔ پچھلے دن کا قصہ تازہ اور عزم قائم تھا + صبح صبح تو کیا کسی کام میں لگتی سوچا کہ دن میں سب بندوبست کراؤں گی + دن چڑھتے کیا دیر ہوتی تھی۔ صبح گئی دوپہر سر پر آن پہنچی + کھانا کھایا۔ طبیعت کچھ کسلمندسی ہوگئی۔ اور لیٹنے کو جی چاہا + سوچا کہ ذرا کی ذرا سو لُوں۔ کہ طبیعت کچھ ہلکی ہو جائے + پھر اُٹھ کر کام کروں گی + سوئی اور دوپہر ڈھلے آنکھ کھُلی۔ مگر سو کر اُٹھنے سے جی کچھ اَور زیادہ سُست سا معلوم ہونے لگا + مُنہ ہاتھ دھویا اور کسی قدر تازہ دم ہوئی + سوچا کہ قلم دوات منگاؤں اور سب سے پہلے جو کچھ مجھے کرنا ہے۔ اُسے نوٹ کر لوں۔ پھر اُس کے مطابق کروں + ابھی یہ سوچ ہی رہی تھی۔ کہ میرے شوہر آگئے۔ اور ان سے بات چیت کرنے میں وقت صرف ہوگیا + شام سر پر آن پہنچی + اب

Taj Tahir Foundation

دونوں وقت ملتے بھلا کون کام کرے؟ اس وقت تو دُنیا جہان کے کام بند ہو جاتے ہیں۔ بہتے دریا بھی ٹھہر جاتے ہیں۔ پھر بھلا مجھے ہی ایسی کیا تواٰئی پڑی ہے۔ کہ اس وقت کوئی کام لے کر بیٹھوں؟ تھوڑی دیر میں رات آئی۔ مگر رات تو آرام کے لئے ہے۔ نا کہ کام کے لئے، کرنے والے کیا راتوں کو کام نہیں کرتے؟ ضرور کرتے ہیں۔ مگر وہی جن کا عزم راسخ ہو، جنہیں کل کا مرض لگا ہو۔ انہیں تو کل ہی کے وعدہ پر بات ڈالنے سے کل آتی ہے۔ غرض میں نے پھر وہی کل پر بات اُٹھا رکھی ۔

اتفاق ایسا ہُوا۔ کہ اگلے دن میرے ماموں صاحب تشریف لے آئے، اب میں نے سوچا کہ بھلا ماموں صاحب کے ہوتے کیا کسی کام میں لگوں۔ وہ کیا سدا سدا آتے ہیں، پہلے تو کبھی کام کیا نہیں۔ آج کام لے بیٹھوں گی۔ تو یہ جانیں گے کہ یہ اسی طرح کام میں جُتی رہتی ہو گی، غرض یہ سوچ میں نے اس دن تو کیا تین چار دن تک جب تک ماموں رہے۔ اس خیال کو سوچا بھی نہیں، ماموں کے گئے بعد بات پُرانی ہو گئی۔ اور ملامت سے جو ذرا بھُرا جوش پیدا ہُوا تھا۔ وہ بھی پھیکا پڑ گیا۔ سُست زندگی بدستور گزرنے لگی ۔

Taj Tahir Foundation

یوسف اب بڑی بھولی اور توتلی توتلی ادھوری باتیں کرنی سیکھ گیا تھا + اس کے والد سے مَیں نے کہا۔ کہ اس کی باتیں اگر کسی کتاب پر لکھ لوں۔ تو کیسی اچھی معلوم ہوں + یوسف بڑا ہوکر اِن باتوں کو پڑھ کر ہنسا کرے گا + اس کے والد کو یہ تجویز بہت پسند آئی۔ اور وہ میرے پیچھے پڑ گئے۔ کہ ضرور یوسف کی باتیں لکھا کرو۔ ایک کاپی بنا لو۔ تو اس پر اس کی زندگی کے مختصر حالات بھی بطور روزنامچہ لکھا کرو + مَیں نے اس بات کو بڑی خوشی سے منظور کیا۔ اور کہا کہ دیکھو کل ہی سے انشاء اللہ اس کا روزنامچہ بنا کر اس پر اس کی پیدائش کی تاریخ سے لے کر آج تک کے جس قدر حالات مجھے یاد ہیں۔ مَیں لکھوں گی + جب کل آئی۔ تو مَیں نے سوچا۔ کہ چند کاغذوں کو سی کر یوں ہی بھدّی سی کاپی بنا لینی ٹھیک نہیں عمدہ قسم کا رجسٹر بنوا کر اس پر سب حالات درج کرنے چاہئیں۔ اس وقت یہی بہتر ہے۔ کہ جو کچھ یاد ہے۔ وہ کسی کاغذ پر لکھ لوں + چنانچہ مَیں نے بڑی ہمّت کر کے اِتنا کیا۔ کہ یوسف کی کچھ باتیں ایک پرچہ پر جمع کر لیں + ان کو جمع کر کے مَیں ایسی بے فکر ہو گئی۔ جیسے مَیں نے اِنہیں پوری حفاظت میں لے لیا +

یوسف کے والد نے مجھ سے پھر پوچھا۔ کہ تم نے یوسف کی باتیں

Taj Tahir Foundation

کاپی پر لکھیں ۔ مَیں نے بہت اطمینان سے جواب دیا ۔ کہ ہاں سب باتیں جمع کر لی ہیں ۔ مگر ابھی کاپی پر نہیں لکھیں + مَیں چاہتی ہوں ۔ کہ نہایت عمدہ کاغذ کا ایک رجسٹر بنے اور اس کے اوّل صفحہ پر یوسف کی تصویر ہو ۔ اس میں یوسف کے حالات لکھوں + میرے شوہر کو بھی یہ بات بہت پسند آئی ۔ اسی روز شام کو یوسف کو کپڑے بدلوا ایک مصوّر کے ہاں لے گئے اور اس کی تصویر اُتروائی + جب تصویر اُتر کر آ گئی ۔ تو اس کی پلیٹ بنوائی ۔ اور اس سے کئی کاغذ چھاپ کر مجھے منگوا دئے ۔ اور کہا لو اب رجسٹر بنوا کر یہ تصویر اس میں لگا لو + تصویر کو آئے بھی عرصہ گذر گیا ۔ اور مَیں ہمیشہ یہی کہتی رہی ۔ کہ آج یا کل رجسٹر بنوا کر اس میں یوسف کی باتیں لکھوں گی ۔ مگر اس کل کا آنا مشکل ہو گیا + آخر میرے شوہر خود ہی ایک دن نہایت عمدہ فُلس کیپ کاغذ کے چند دستے لائے ۔ اور اُن کے ساتھ یوسف کی تصویر کا کاغذ لگا کر جلد گر کو بھجوا دیا ۔ کہ اس کی بہت عمدہ جلد تیار کر کے بھیج دے + اِس عرصے میں مَیں نے جو کچھ ہمّت کر کے کیا ۔ وہ صرف یہ تھا ۔ کہ یوسف کی باتوں کو چند پُرزوں پر لکھتی رہی تھی ۔ مگر یہ توفیق مجھے نہ ہوئی ۔ کہ اُن پُرزوں کو کسی جگہ حفاظت سے رکھتی + اگرچہ ہر روز سوچا کی ۔ کہ اُن پُرزوں کو کسی تار میں ڈال دُوں ۔ مگر وہی کل کے مرض نے اس ارادے

کو بھی پُورا نہ ہونے دیا + بہت سی باتیں اس خیال سے کہ یہ تو یاد ہی رہیں گی۔ مَیں نے یادداشت میں درج بھی نہ کیں ؎

آخر رجسٹر بن کر آگیا۔ اور اب مَیں اور میرے شوہر دونوں اُسے پُر کرنے بیٹھے + مجھے اب اپنے پُرزوں کی ضرورت ہوئی۔ مگر جب مَیں نے اُنہیں تلاش کیا۔ تو مشکل سے دو تین پُرزے ہی ملے باقی کھوئے گئے۔ اور جو باتیں مَیں نے سوچی تھیں کہ مجھے یاد رہیں گی۔ وہ بھی سب ذہن سے اُتر گئیں + خیر جو یاد آیا۔ وہ اس رجسٹر پہ چڑھ گیا۔ اور آیندہ کو یہ تجویز ہوئی کہ ہر روز اس کو پُر کیا جائے گا۔ مگر وہی قدیمی مرض اس ارادے کے پورا کرنے میں بھی ایسا حائج ہؤا۔ کہ آج کل کرتے کرتے چھ ماہ تک مَیں نے اس رجسٹر کو ہاتھ نہیں لگایا ؎

فصل ششم

یہ تو یوسف کا قصہ ہؤا۔ اب ذرا میرے گھر بار کی بھی گت سُنو + ایک بوڑھی مغلانی جو میرے شوہر کی کھلائی تھیں۔ ہماری بہت ہمدرد تھیں + گھر کا تمام کاروبار اُن کے سپُرد تھا۔ اور وہ اپنے مقدور بھر گھر خاصی طرح سنبھالے رکھتی تھیں۔ بدقسمتی سے اُن کا انتقال

ہو گیا۔ میرے شوہر نے مجھ سے کہا۔ کہ مُغلانی امّاں تو مر گئیں۔ اب جو نوکریں باقی ہیں۔ یہ سب دست خود دہان خود کا معاملہ کرنے والی ہیں۔ اگر اپنے گھر کی خیر خواہ ہو تو گھر کو خود سنبھالو۔ ورنہ بہت نقصان اُٹھاؤ گی۔ مَیں نے سوچا کہ کام کاج کرنے والی تو نوکریں ہیں ہی۔ جو کچھ دیکھنا بھالنا ہو گا۔ مَیں خود دیکھ بھال لیا کروں گی بات ہی کون سی بڑی ہے۔ کرنے پر آؤں۔ تو ایسے ایسے دَس گھروں کا کام چُٹکیوں میں اُڑا دُوں۔ اور تھا بھی سچ۔ کیوں کہ مَیں خدانخواستہ کوئی پھوہڑ بد تمیز تو تھی ہی نہیں۔ جب کبھی کوئی کام کرتی تھی۔ تو ایسا کرتی تھی۔ کہ دیکھنے والے دیکھتے رہ جاتے تھے۔ اور میرے دل میں خیال ہی یہی جما ہوا تھا۔ کہ جب تک مَیں نے گھر کو نہیں دیکھا۔ نہیں دیکھا۔ اور جس روز گھر کی باگ ڈور مَیں نے اپنے ہاتھ میں لی۔ تو وہ انتظام کروں گی۔ کہ کرنے کا حق ہے۔

خیر اَور تو جو کچھ ہُوا۔ سو ہُوا۔ بڑی بی کے مرنے پر جو پہلی برسات آئی۔ اس وقت اس کا بیان سُنو۔ اوّل تو یہ ہُوا۔ کہ میرے گول کمرے کی چھت ٹپک پڑی۔ رات کو بہت پانی اندر آیا۔ نوکریں چاکریں تسلے وغیرہ رکھ کر پانی روکتی رہیں۔ اور فرش کے بچانے

Taj Tahir Foundation

کی تدبیریں سوچتی رہیں + مَیں نے سوچا۔ کہ کل کو مزدور بُلوا کر چھت
درست کرا دوں گی۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ مگر جب کل ہوئی۔
تو بادل جا چکے تھے اور نہایا دھویا سورج نکلا ہوُا تھا۔ اب کیا
تھا۔ مَیں نے سوچا خیر آج نہیں۔ تو کل کسی وقت مزدوروں کے
بُلانے کو ضرور کہہ دوں گی + دو تین دن اس طرح گذرے + اتنے
میں میرے شوہر نے کہا۔ کہ برسات کا موسم ہے۔ اور آج کل باغوں
میں بڑی بہار ہے۔ چلو دو چار دن کو باغ کی کوٹھی میں چلیں +
مَیں نے بھی خوشی سے منظور کر لیا۔ اور ہم لوگ باغ کو روانہ ہو
گئے + میرے جانے کے دوسری رات ہی وہ موسلا دھار مینہ
برسا کہ پناہ بہ آلہی۔ آٹھ دن تک یکساں جھڑی لگی رہی + میرے
شوہر اس حالت میں گھر پر واپس گئے۔ کہ گھر کا حال دیکھوں + آن
کر کیا دیکھتے ہیں۔ کہ گول کمرے کا ہزار پانسو روپے کا اسباب
بارش کے پانی میں تیر رہا ہے + کتابوں کی الماری پر اس قدر
مینہ برسا۔ کہ کتابوں کی خوب صورت اور خوشنما جلدوں سے لے
کر اندر کے ورق تک کا ستیاناس ہو گیا + اس الماری میں دس
دس روپے سے لے کر پچاس پچاس اور سو سو روپے کی ایک
ایک کتاب رکھی تھی + فرش اور تمام فرنیچر کا بالکل ستیاناس ہو گیا

وہ نوکروں چاکروں پر خفا ہوئے۔ اور چھت کی مرمت کرواکر اسباب
کو درست کروایا۔ اور دوسرے دن باغ واپس آن کر مجھے حال
سُنایا۔ اُس روز مجھے بہت رنج ہُوا۔ کیونکہ بعض بعض چیزیں جو مجھے
بہت ہی عزیز تھیں۔ وہ بارش سے بالکل برباد ہوگئیں تھیں۔ ان
کی بربادی کا سُن کر میری آنکھوں میں بھی آنسو بھر آئے۔ میرے
شوہر نے کہا۔ کہ یہ میری غلطی ہے۔ کہ مَیں نے چھت کی مرمت کا
بندوبست نہ کیا۔ اُنہوں نے تو یہ کہا۔ مگر مَیں دل ہی دل میں اپنے
آپ کو ملامتیں کرتی رہی۔ کہ مَیں نے جو یہ سوچا تھا۔ کہ اس کی مرمت
کراؤں گی۔ تو اس میں کیوں سُستی کی؟ اگر اُس دن زبان ہلا کر کسی
کو حکم دے دیتی تو میرا کیا بگڑ جاتا؟ ذرا سی زبان ہلانے سے
سینکڑوں کی چیز پر پانی تو نہ پھر جاتا۔ غرض اپنے آپ پر بہت ملامت
کی۔ بہت دل دُکھا۔ مگر چڑیاں کھیت چُگ گئی تھیں۔ اب پچھتانے سے
کیا ہوتا؟

مَیں خوب جانتی تھی۔ کہ برسات گرم کپڑوں کی دشمن ہے۔
اور جب تک گرم کپڑوں کو دھوپ نہ دکھا لوں گی۔ ان کی سلامتی
دشوار ہے۔ مگر یہی سوچ سوچ کر۔ کہ آج نہیں کل۔ اور کل نہیں پرسوں
ضرور دھوپ دوں گی۔ بہت وقت ضائع کر دیا۔ لیکن اگر آسمان

پر بادل کا ذرا سا ٹکڑا بھی نظر آگیا۔ تو میرے دل کے سمجھانے اور
اس کام کو کل پر اُٹھا رکھنے کو یہ خاصا بہانہ ہاتھ آیا۔ کہ آج تو دُھوپ
تیز نہیں کپڑوں پر کیا اثر کرے گی۔ یا یہ کہ آندھی چلی تو کپڑے
خراب ہو جائیں گے۔ غرض اس طرح سوچ سوچ کر مَیں نے عرصہ
تک کپڑوں کو دھوپ نہ دی۔ اور جب دھوپ دینے کی کل آئی۔
تو مَیں نے آخر کو صندوق کھولے + آہ! مَیں بیان نہیں کر سکتی۔
کہ صندوقوں کو دیکھ کر مجھ پر کیا گزر گئی + میری پچاس پچاس روپے
کی گرم پشمینے کی چادریں اور پان پان سو کے دوشالوں کو کیڑوں
نے کھا کر چھلنی کر دیا تھا + میرے شوہر کے سُوٹوں میں گویا چاند
ماری کی گئی تھی + کم سے کم دو ہزار کا کپڑا ضائع ہو گیا۔ اور اس
نقصان سے میرے شوہر کا بھی بہت دل کُڑھا + آخر اُنہوں نے
کہا۔ کہ اب ان کپڑوں میں سے یوسف کے کپڑے کاٹ کاٹ کر بنا
لو + اگر مَیں یوسف کے کپڑے بنا کر ان کپڑوں کو نیک لگاتی۔ تو یوسف
کے لئے اس قدر کپڑے تیار ہو جاتے۔ کہ برسوں کام آتے۔ مگر یہ
سوچ کر کہ کسی وقت درزی کو بُلا کر کپڑے سُپرد کر دُوں گی۔ اور
وہی بنا لائے گا۔ خود یہ کام نہ کیا + درزی کے بُلانے میں بھی حسب
دستور تساہل ہوتا رہا + اس تساہل میں کئی کپڑے تو یُوں رُل کھُل کر

گئے۔ اور کچھ کپڑے درزی کو دئے گئے۔ مگر بے درد درزی کپڑے بالکل بدوضع اور بھدّے بنا لایا۔ اور عذر یہ کیا کہ کپڑا ہی ایسا کم تھا۔ خیر مَیں نے سوچا جب اتنا نقصان یُوں ہوگیا۔ تو اب درزی پر کیا اُلاہنا؟

فصل ہفتم

ایک اَور دن کا ذکر سُنو۔ کہ توشہ خانہ کی ایک کھڑکی کا دروازہ باہر کوچے کی طرف کھُلتا تھا۔ اور وہ جگہ محفوظ نہ تھی + ایک دن مَیں نے دروازہ کھولا۔ اور جب بند کرنے لگی۔ تو جو تالا اُس میں لگا ہوا تھا۔ وہ مجھے نظر نہ پڑا۔ خدا جانے کہیں اسباب کے پیچھے گر گیا یا کدھر۔ التوا کی عادت تو خدا نے مجھ میں سدا سے ڈال ہی رکھی تھی۔ یہ سوچ کر کہ اس وقت نہیں ملتا۔ پھر تالا لگا دوں گی۔ خالی کُنڈی لگا کر چلی آئی + پھر آج کل پر ایسا ٹالا۔ کہ پورا ایک ماہ ہوگیا۔ اور کھڑکی میں تالا لگانے کی نوبت نہ آئی +

ایک روز میرے شوہر باہر سے آئے۔ نوکر کے ہاتھ میں ایک بڑا سا صندوقچہ تھا۔ وہ لا کر مجھے دیا + اُن کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا۔ اس پر اس صندوقچہ کے اسباب کی فہرست تھی۔ وہ بھی مجھے دی اور کہا کہ بیگم اُسے سنبھال کر رکھ دو + فہرست تو مَیں نے میز پر رکھ

دی اور صندوقچہ نوکر سے کہا کہ توشہ خانہ میں بنچ پر رکھ آؤ + پھر میں اُٹھوں گی تو لوہے کی الماری میں بند کر دوں گی + میرے شوہر نے کہا کہ دیکھو دونوں چیزوں کو بہت سنبھال کر رکھنا۔ میرے ایک دوست کی امانت ہیں۔ وہ کہیں گئے ہیں۔ اور احتیاطاً میرے پاس رکھ گئے ہیں۔ اس صندوقچہ میں ان کی بیوی کا پانچ ہزار کا زیور ہے + مَیں نے کہا کچھ فکر نہ کرو۔ مَیں سب سنبھال دوں گی +

اس وقت تو مَیں نے صندوقچہ توشہ خانے میں رکھوا کر توشہ خانہ کے دروازے کو حسب دستور تالا دِلوا دیا۔ اور سوچا کہ گھڑی بھر بعد لوہے کی الماری میں رکھ دوں گی۔ مگر اپنی اسی کم بخت عادت کے باعث رکھنے کی گھڑی نہ آئی پر نہ آئی + رات کو جب مَیں پلنگ پر لیٹی۔ تو مجھے یاد آیا۔ اور مَیں اُٹھ کر صندوقچہ رکھنے کو جانے لگی + میرے شوہر نے پوچھا کہاں جاتی ہو؟ مَیں نے کہا کہ صندوقچہ الماری میں نہیں رکھا۔ اسے رکھنے جاتی ہوں + اُنہوں نے کہا کہاں رکھا ہے؟ مَیں نے کہا کہ توشہ خانہ میں ہے + اُنہوں نے کہا اس میں تالا لگا ہوا ہے؟ مَیں نے کہا ہاں تالا تو لگا ہے + کہنے لگے تو پھر کیا ڈر ہے کل رکھ دینا + مجھے تو خود اس کل سے از حد محبّت تھی۔ یہ سُنتے ہی مَیں پھر بے فکر ہو کر لیٹ رہی +

کوئی رات کے دو بجے ہوں گے۔ کہ میرے کان میں ایک دھماکے کی آواز آئی + جی میں آیا کہ اُٹھوں۔ مگر پھر سوچا کہ خدا جانے کُتّا بلّی کوئی ہوگا۔ ناحق مَیں اپنی نیند کیوں خراب کروں + یہ سوچتے ہی مَیں نے اُٹھنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ اور پھر سو رہی۔ بات آئی گئی ہوگئی + دوپہر کو میرے شوہر نے مجھے یاد دلایا کہ مَیں صندوقچہ کو الماری میں رکھ کر قفل دے دوں + مَیں نے ان کی تاکید سے نیز کچھ نقصانوں سے عبرت حاصل کر کے ہمّت کی۔ اور اپنی عادت کے خلاف توشہ خانے کے پاس گئی + میرے شوہر بھی میرے ساتھ آئے۔ کیونکہ اُنہیں لوہے کی الماری میں سے کچھ لینا تھا + توشہ خانہ کا تالا اُنہوں نے خود ہی کھولا۔ اور مَیں اندر گئی + اب تو میری آنکھیں کھُلی کی کھُلی رہ گئیں۔ اور مَیں تھوڑی دیر کے لئے بُت ہوگئی + میرے شوہر نے کہا ہیں تم ایسی حیران کیوں ہوگئیں؟ میرے مُنہ سے ایک لفظ نہ نکلا۔ میرے شوہر نے مجھے دیکھا۔ کہ میرے چہرے کا رنگ فق ہوگیا ہے۔ اور قریب ہے کہ مَیں گر پڑوں + اُنہوں نے مجھے سنبھالا اور پاس ہی ایک پلنگڑی پر لٹا کر میرے دل پر ہاتھ رکھا تو اس کی عجب حالت پائی + وہ بڑے حیران ہوئے۔ کہ آلٰہی یہ کیا ماجرا ہے + آخر مَیں نے اُن سے کہا۔ کہ مَیں نے صندوقچہ جہاں رکھا تھا

وہ وہاں نہیں ہے + اب تو وہ بھی گھبرا گئے۔ حیران اِدھر اُدھر دیکھنے
لگے۔ مگر صندوقچہ ہو تو نظر پڑے + وہاں تو صندوقچہ کا نشان تک نہ تھا +
اب وہ حیران کہ الٰہی یہ کیا ماجرا ہے۔ کہ نہ دیوار ٹوٹی۔ نہ کواڑ کھلے۔
تالا بدستور لگا ہوا۔ اور تالا بھی ایسا معمولی نہیں۔ کہ کسی کنجی سے
کھل سکے۔ سوا روپیہ کا نہایت بھاری آہنی تالا۔ صندوقچہ گیا۔
تو کدھر سے گیا؟ زمین کھا گئی۔ یا چھت اُڑا گئی؟ جُوں ہی اُنھوں
نے دوسرے دروازے پر ہاتھ مارا۔ تو دیکھا کہ کنڈی کھلی ہے۔
بس فوراً یہ بات سمجھ میں آ گئی۔ کہ دوسرے دروازے کے رستے
سے صندوقچہ نکل گیا + اس وقت تو اُن کو بھی اس قدر صدمہ ہوا۔
کہ اُن کے مُنہ سے بات نہ نکلتی تھی۔ اور جب یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ
صندوقچہ کے ساتھ ہی اس کی فہرست بھی جو مَیں نے اس پر رکھ
دی تھی۔ ضائع گئی۔ تو رہے سہے حواس جاتے رہے۔ کہ الٰہی
اب کیا ہوگا + وہ نہایت رنج سے بولے کہ اگر میرا اس سے
دُگنا مال چوری ہو جاتا۔ تو مجھے رنج نہ تھا۔ مگر اس مال کے جانے
کا صدمہ مَیں بیان نہیں کر سکتا +

فصل ہشتم

جب ہمارے دل سینے میں دھڑک دھڑک کر ذرا مدّھم پڑے۔
تو اب ہمیں یہ سوچنے کا ہوش آیا۔ کہ دوسرے دروازے میں
سے صندوقچہ نکالا کس طرح گیا؟

میری سمجھ میں تو فوراً یہ بات آگئی۔ کہ یہ میری اس کم بخت
عادت کا نتیجہ ہے۔ کہ میں آج کل آج کل کرتی رہی۔ اور اس
دروازے میں تالا نہ دیا + کنیز جب صندوق رکھنے میرے ساتھ
اندر گھسی۔ تو میں ایک دوسرا صندوق کھولنے میں لگ گئی + کنیز
نے جلدی سے یہ ہوشیاری کی۔ کہ کواڑ کی کُنڈی کھول دی + میں نے
اُسے اس طرف جُھکا ہُوا دیکھا بھی۔ مگر یہ جانا۔ کہ شاید کوئی گری پڑی
چیز رکھتی ہے۔ کچھ جھُٹ پٹا سا تو ہو ہی رہا تھا۔ مجھے کُنڈی کھُلی نظر
نہ پڑی۔ اور میں تالا دے کر مطمئن ہو گئی + کنیز نے موقعہ پاکر رات
کو اسی دروازے سے داخل ہو کر صندوقچہ نکال لیا۔ اور چلتا کیا +
بس اب کیا تھا۔ میں نے فوراً اس کنیز کو آواز دی وہ موجود تھی
دوڑی ہوئی آئی۔ مگر بھاری گناہ چاہے انسان کتنا ہی چھپائے
وہ چھُپتا نہیں + میں نے دیکھا۔ کہ مجھے گدام میں کھڑا دیکھ کر وہ سر

سے پاؤں تک گویا سفید پڑ گئی۔ اور چونکہ یہ کام اسی کا تھا۔ اس واسطے میرے کچھ کہے سُنے بغیر ہی سب معاملہ خود بخود اس کی سمجھ میں آ گیا + جب وہ آئی۔ تو مَیں نے ایک قہر بھری نظر اس پر ڈال کر اُس سے چلا کر کہا صندوقچہ جو کل یہاں رکھا تھا۔ کہاں ہے؟ اس آواز کے سُنتے ہی وہ لرز گئی زبان بند ہو گئی۔ مگر بہت سنبھل کر اُس نے جواب دیا۔ کہ بیگم صاحبہ مجھے کیا خبر + سامنے کھونٹی پر میرے شوہر کا چابک رکھا تھا۔ مَیں نے لپک کر اُتارا۔ اور تڑ سے ایک رسید کر کے کہا۔ کہ جلدی بتا + میرے شوہر نے چابک میرے ہاتھ سے لے لیا۔ اور کہا کہ ہیں ہیں۔ تم اس بیچاری کے پیچھے کیوں پڑ گئیں۔ اس کا کیا تعلق؟ دیکھو اُسے کچھ مت کہو۔ وہ نہایت خوف زدہ ہے۔ ان الفاظ نے چھوٹی کنیز کے دل کو مضبوط کر دیا۔ اور اس نے اپنی صفائی کے لئے اپنے دیدے گھٹنوں کی طرف اور طرح طرح کی قسمیں کھانی شروع کر دیں۔ معاملہ بگڑ گیا۔ ورنہ جو ہیبت کنیز پر مَیں نے ڈالی تھی۔ ممکن نہ تھا کہ وہ اُسی وقت سب باتیں نہ قبول دیتی + آخر مَیں نے اپنے شوہر کو سب حال کہا۔ کہ دیکھو اس طرح سے اُس نے صندوقچہ لیا ہے + اس پر وہ بے وقوف بولی کہ اگر مَیں اتنا مال لیتی تو کہاں ہضم کرتی۔ ابھی دیر ہی کیا ہوئی

ہے۔ کہ مَیں کہیں چھُپا دیتی + اوّل تو مَیں خود کیوں نہ بھاگ جاتی؟

مَیں غصّے سے کانپ رہی تھی۔ مَیں نے اس کو کہا کہ مت بکو۔ اور پھر اپنے شوہر کے ہاتھ سے کوڑا لیا۔ کہ اس کی خبر لوں۔ مگر میرے شوہر نے مجھے روکا۔ اور کہا کہ مَیں اسے پولیس کے حوالے کرتا ہوں + اس پر وہ کم بخت بہت ہی منتیں کرنے لگی کہ مجھے بے عزت نہ کرو۔ مَیں نے اپنے شوہر سے کہا۔ کہ جلدی بندوبست کرو۔ چنانچہ تمام مناسب کارروائیاں کیں۔ مگر کچھ حاصل نہ ہوا۔ جیسا پولیس والوں کا دستور ہے کنیز کے ساتھ اُنھوں نے بہت سختیاں کیں۔ ان سختیوں پر اُس نے اِتنا بتایا کہ ہاں صندوقچہ مَیں نے تلف کروایا ہے۔ مگر مَیں اس کا پتہ ہرگز نہ دوں گی۔ کہ کس کو دیا یا کہاں گیا۔ مجھے قید ہونا ہے سو ہر طرح ہوں گی۔ مگر مَیں دُوسروں کو ہرگز نہ پھنساؤں گی + اس پر جہاں تک ممکن تھا۔ اُسے لالچ دیا گیا۔ سمجھایا۔ دھمکایا۔ مگر وہ ڈھیٹ عورت ٹس سے مس نہ ہوئی +

میرے شوہر نے مجھے کہا۔ کہ اگر میری نصف جائداد جاتی رہتی تو مجھے اس قدر صدمہ نہ ہوتا۔ جس قدر اس بیگانی امانت کے جانے اور شرمندگی اُٹھانے کا صدمہ ہوا ہے۔ مگر چارہ ہی کیا تھا سوائے اس کے کہ صبر کیا جاتا +

اس صندوقچے میں قریباً پانچ ہزار کے زیورات وغیرہ تھے۔
اتنے روپے بھی گئے۔ اور جو خفت اُٹھائی۔ اُس کا ٹھکانا نہیں +
میرے شوہر نے اپنی جائداد کا حساب کتاب دیکھنا شروع کر دیا
تھا + ان کا حساب اس درجہ ردّی اور خراب ہو گیا تھا۔ جس کا
ٹھکانا نہیں + جب مختار سے روزنامچہ کا رجسٹر طلب ہُوا۔ تو معلوم
ہُوا۔ کہ اوّل تو اندراج ہی نہیں۔ خدا جانے کیا آیا کیا گیا۔ خیر
اس نقصان پر صبر کیا۔ اور یہ سوچ کر کہ جو کچھ موجود ہے۔ اب اسی
کی خیر منائی جائے۔ اور مناسب انتظام کیا جائے + تمام رجسٹر
از سرِ نو مکمل کرنے اور بعض ملازم نئے رکھنے اور بعض اُتارنے
کا اِرادہ ہُوا۔ مگر سب سے زیادہ ضروری یہ تھا۔ کہ جو کچھ موجود
تھا اُس کا اندازہ ہوتا + آخر حساب کتاب سے معلوم ہُوا۔ کہ
قریب ساٹھ ہزار کے نقصان ہو گیا + یہ ایسی رقم تھی۔ جس کا کہیں
اندراج نہیں تھا + میرے شوہر دانت پیستے اور نوکروں پر غصّے
ہوتے اور سخت مُضطرب رہتے تھے + مَیں نے دیکھا کہ اس فکر میں
وہ بہت لاغر ہو گئے۔ آخر مَیں نے ایک روز اُن کو بہت سمجھایا
کہ تم اس کی کچھ پروا نہ کرو۔ اور اپنی صحت کو سب سے مقدم
جانو۔ خدا نے خیر رکھی اور آیندہ اچھّا انتظام ہُوا۔ تو جس نے

Taj Tahir Foundation

اپنے فضل سے یہ سب کچھ پہلے عطا کیا تھا۔ وہ ہی اُس سے زیادہ پھر عطا کرے گا +

میری تقریر سے کچھ اُن کی تسلی ہوئی۔ اور موجودہ پر اُنھوں نے صبر کیا۔ اور تمام حساب کتاب کو جو شاید چار ماہ میں ختم ہوا ہو گا۔ اُنھوں نے درست کیا + اس حساب کتاب میں وہ مجھ سے بھی بہت مدد لیتے رہے + باہر جاتے تو کارندوں سے حساب لیتے اندر آتے تو خود سوچتے اور مجھ سے کچھ لکھوایا کرتے + غرض چار ماہ بعد اُنھوں نے کہا کہ اب مَیں بڑے بھاری کام سے فارغ ہؤا ہوں۔ مگر اب یہ کرنا ہے۔ کہ جس قدر حساب کتاب مَیں نے کاغذوں پر کر رکھا ہے۔ یہ سب جدید رجسٹروں پر اُتارنا ہو گا + مَیں نے کہا کہ یہ کیا بڑا کام ہے مَیں خود کر دوں گی + میری اس اولوالعزمی سے وہ خوش ہُوئے۔ اور پورے بیس رجسٹر مجھے لاکر دئے۔ اور سمجھایا۔ کہ ان کی اس اس طرح سے خانہ پُری کرو۔ مگر سب سے پہلے اُن کاغذات کو نتھی کر کے ایک بستے میں باندھ لو + میری خلقی عادت بے اختیار مجھے پھر اسی قدیمی راہ پر لے گئی۔ یعنی آج اور کل پر معاملہ چھوڑا + کاغذات مجھے جو رجسٹروں پر چڑھانے تھے۔ میز پر رکھ دیئے۔ اور وہاں کئی روز رکھے رہے + خدا جانے

کیا بے احتیاطی ہوئی۔ کہ اُس میں سے دو تین فردیں جاتی رہیں + جب ایک روز میرے شوہر ان کاغذوں کو لے کر بیٹھے۔ تو دیکھا کہ کاغذ کم ہیں۔ بہت حیران ہوئے + بہتیرا تلاش کیا۔ مگر بے سود۔ آخر اُس دن وہ تمام کاغذ نتھی کئے گئے۔ اور بستے میں باندھ کر رکھ دیئے +

فصل نہم

میرے ہاں کچھ دنوں بعد خدا کے فضل سے ایک اَور لڑکا ہوا۔ نہایت خوب صورت اور پہلے بھائی کی طرح حسین۔ اس کا نام میرے شوہر نے آصف رکھا + مَیں چلّے تک بالکل گھر سے بے خبر رہی۔ اور میرے شوہر بھی ان دنوں کسی خاص کام میں مصروف نہیں رہے +

جب حساب کتاب کی پڑتال کو عرصہ گزر گیا۔ اور ظہور میں کچھ نہیں آیا۔ تو میرے شوہر سے اُن کے بعض نمک حلال کارندوں نے پھر تقاضا شروع کیا۔ کہ انتظام کی درستی اور اصلاح کا کچھ بھی نتیجہ نہ نکلا۔ تب میرے شوہر کو ان کاغذات کا پھر خیال آیا + مگر اب کی دفعہ وہ بستہ کا بستہ ہی ندارد تھا۔ تمام گھر ڈھونڈھ ڈالا۔ کہیں

پتہ نہ چلا۔ کہ بستہ کہاں گیا ٭

ایک روز پنساری کے ہاں سے کچھ دوا آئی۔ میری عادت تھی۔ کہ مَیں ہر پُرزے کو پڑھا کرتی تھی + مَیں نے اس دوا کے کاغذ کو بھی پڑھنا شروع کیا۔ تو معلوم ہُوا کہ وہ جائداد کے حساب کا کاغذ ہے +

تحقیق سے یہ پتہ ملا۔ کہ بستے میں سے کاغذ گر گئے۔ اور وہ اَور ردّی کے ساتھ نوکروں نے بیچ لئے + اب اس پنساری کی دُکان پر آدمی گیا۔ اور وہاں سے جس قدر کاغذ تھے واپس لایا + اس میں سے بعض بعض کاغذ ملے۔ بعض کا پتہ پھر بھی نہ چلا ٭

میرے شوہر کو اپنی چار ماہ کی محنت ضائع جانے کا۔ اور جائداد کی ابتری کا اس قدر رنج ہُوا۔ کہ مَیں بیان نہیں کر سکتی + آخر اُنہوں نے ہمّت کر کے پھر حساب بنایا۔ اور شاید میری طرف سے نا اُمید ہو کر کسی محرر کو کام سپرد کیا ٭

ایک روز کا ذکر ہے۔ کہ بارش ہوئی اور بارش کے باعث بالاخانے کے جنگلے کو کچھ ایسا صدمہ پہنچا۔ کہ اس کا کچھ حصّہ گر گیا + یوسف اب اللہ رکھے سیانا ہو گیا تھا۔ پاؤں پاؤں دوڑا پھرتا تھا وہ جنگلے کے پاس کھڑا ہو کر اکثر جھانکا کرتا اور تاتا کیا کرتا تھا +

مجھے خوف ہؤا کہ ایسا نہ ہو یہ کبھی یہاں سے گر پڑے + مَیں نے اس کے والد سے کہا - کہ جلدی ایک جنگلہ بنوا دو + کہ یوسف آنکھ بچا کر اِدھر اُدھر سے وہیں جا کھڑا ہوتا ہے - کئی دفعہ مَیں نے اُسے پکڑ لیا بُری گھڑی آتے دیر نہیں لگتی - ایسا نہ ہو کہیں بچہ گر پڑے + اُنہوں نے کہا کہ ہاں مَیں اس کا جلدی بندوبست کر دوں گا + دوسرے دن کلکتے سے اُن کے نام کا تار آیا - اور وہ کلکتہ روانہ ہو گئے +

میرا جنگلے کی طرف خیال بھی نہ جاتا - مگر چونکہ ہر روز یوسف وہاں جا پہنچتا - اور بعض وقت ایسی بُری طرح جھانکتا - کہ مجھے خوف ہوتا کہ اب گرا - اب گرا - مجھے جنگلے کا بڑا فکر تھا + اگرچہ میرے مزاج میں آج کل کا خمیر تھا - مگر اس بارے میں مَیں نے بہت ہمّت سے کام لیا - اور اس بات پر بھی اپنی اس عادت کو نہیں ٹالا - کہ مَیں اپنے شوہر سے تو کہہ چکی ہوں - بلکہ خود مَیں نے ملازموں کو تاکید کہلا بھیجی - کہ معمار بلایا جائے - اور جنگلے کی جلدی مرمت کر دی جائے + لیکن خدا کو کچھ اَور منظور تھا - اُسے کون ٹال سکتا تھا؟ یوسف صبح ہی صبح اُٹھا - اور بدستور اس جنگلے کے پاس جا کھڑا ہُوا + اُس کی انّا نیچے بیٹھی تھی - اُسے تاتا کرنے لگا + کِھلائی کم بخت نے جو اُسے جنگلے کے پاس دیکھا - تو چیختی پکارتی دوڑی +

بچّوں کی عادت ہوتی ہے۔ کہ جب ان کی طرف کوئی دوڑے تو
وہ اَور بھی گھبرا کر بھاگتے ہیں۔ آہ پیارا یوسف جو ناز اور خوشی سے
کلکاری مار کر بھاگا۔ تو مَیں کیا لکھوں۔ اس سے آگے مجھ سے لکھا
نہیں جاتا۔ یا تو میرا چاند بام پر تھا۔ یا چشم زدن میں صحن کے پکّے
فرش پر پڑا نظر آیا + ایک چیخ پکار مچی۔ کہ ننھّے میاں گر پڑے +
ننھّے میاں گر پڑے + یہ آوازیں کیا تھیں۔ گویا دوائے بیہوشی
کی شیشیاں تھیں۔ ان کے سُنتے ہی مَیں ایسی بیہوش ہوگئی۔ جیسے
بیہوشی کی شیشی سونگھ کر کوئی مدہوش ہو جائے + مجھے کچھ خبر نہیں
ہوئی کہ بچّے پر کیا گذری + سول سرجن آیا۔ اور بچّے کو اُٹھا کر
گھر لے گیا + میرے واسطے ایک لیڈی ڈاکٹر بھیج دی جو مجھے بہت
سی تدبیروں سے ہوش میں لائی + آنکھ کھُلتے ہی یوسف کو پوچھا
میرا پیارا۔ میرا یوسف۔ دل دھڑکا۔ کہ خدا جانے کیا سنوں گی۔
اور اس خیال ہی سے پھر بے ہوش ہوگئی + میرے شوہر کو تار
دیا گیا + مَیں چھ گھنٹے کامل بے ہوش رہی۔ آخر دوسری دفعہ
جب مجھے ہوش آیا۔ تو خود لیڈی ڈاکٹر ہی نے مجھے جلدی سے
کہا۔ کہ بیگم تم کو مبارک ہو کہ تمہارا بچّہ بچ گیا ہے + یہ سُن کر میرے
مُردہ تن میں رُوح دوڑ گئی۔ اور مَیں نے بچّے کو پوچھا۔ اُنہوں

نے مجھے تسلّی کے ساتھ کہا کہ بچّے کی گردن میں چوٹ آئی ہے - اور اُسے سول سرجن صاحب اپنے ہمراہ لے گئے ہیں - وہ کہتے ہیں کہ بچہّ بچ جائے گا - کچھ فکر نہ کرو + مَیں نے کہا کہ مجھے بھی وہاں پُہنچا دو + اُنہوں نے جواب دیا کہ نہیں - تم وہاں نہیں جاسکتیں + اس سے میرا ماتھا ٹھنکا - اور مَیں مضطرب ہوکر تڑپی - مگر لیڈی ڈاکٹر اور سب نے میری پوری تسلّی کی - اور یقین دلایا - کہ بچہّ زندہ ہے - تم بدشگونی مت کرو +

دوسری شام تک یوسف کے والد بھی پُہنچ گئے + مَیں اُن کو دیکھ کر حیران - اور وہ مجھے دیکھ کر پریشان + اس قدر جلدی کسی کو گھٹتے ہوئے مَیں نے کبھی نہیں دیکھا تھا - جیسی جلدی ہم دونوں گھٹ کر مشت استخوان رہ گئے + وہ آکر کھڑے ہُوئے ہی تھے کہ اتنے میں ڈاکٹر کا آدمی آیا - کہ یوسف کے والد اگر آئے ہوں تو اُن کو بھیجا جائے + وہ یوسف کے پاس جانے لگے - مگر مَیں نے ان کو پکڑا - اور ہاتھ جوڑے - کہ مجھے بھی لے چلو + اُنہوں نے کہا کہ ٹھہرو - پہلے مجھے ہو آنے دو - پھر جیسا موقعہ ہوگا - ویسا کروں گا +

صاحب بہادر کی کوٹھی پر پُہنچے - اور بچّے کا حال پوچھا + صاحب

نے کہا۔ اوڈیر تم کو صبر کرنا چاہیئے + یہ بچّہ اب تم کو واپس نہیں مل سکتا + یہ سُن کر میرے شوہر کے کلیجے میں ایسا دھکّا لگا۔ کہ وہ گرتے گرتے سنبھلے + جاکر دیکھا تو بچّہ نہایت آرام کے ساتھ ایک بستر پر لیٹا تھا + میرے شوہر نے اسے آواز دی۔ یوسف یوسف میرے پیارے۔ میرے جانی + وہ کہتے ہیں کہ اس نے آنکھیں کھولیں + اور خوب اچھی طرح میری طرف دیکھا۔ مگر پھر ایسی آنکھیں بند کیں۔ کہ ناشاد ماں تڑپتی ہی رہ گئی۔ اور اُس نے آنکھ کھول کر اس کا حال نہ دیکھا ؎

یہ کیسی نیند آگئی الٰہی مسافرانِ رہِ عدم کو
کچھ ایسے سوئے کہ پھر نہ اُٹھے تھکے ہم ان کو جگا جگا کے

صاحب بہادر یوسف پر پھُوٹ پھُوٹ کر روئے۔ اور کہنے لگے کہ مَیں نے اپنی عمر بھر میں ایسا خوب صورت بچّہ کبھی نہیں دیکھا تھا + مسٹر یعقوب آپ بڑے بد نصیب ہیں۔ کہ ایسے خوب صورت بچّے سے محروم ہو گئے۔ مگر صبر کرنا چاہیئے۔ خدا کی مرضی یہی تھی۔ یوسف خدا کے فرشتوں میں داخل ہو گیا +

میرے شوہر کو واقعی یوسف سے وہی عشق تھا۔ جو حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنے بچّے یوسف سے تھا۔ مگر افسوس اُن

Taj Tahir Foundation

کا یوسف تو اُن کو مل گیا تھا۔ مگر میرا یوسف ایسا گم نہیں ہُوا تھا کہ ہمیں اُس کے ملنے کی اُمید ہوتی ✤

جب مجھے یہ خبر پہنچی۔ اور جب بے جان یوسف میرے سامنے لایا گیا۔ بہنو مجھ سے اس وقت کی کیفیت مت پوچھو۔ میرے دل و جگر میں طاقت نہیں کہ مَیں اس غم کا اظہار کروں۔ اللہ سے دُعا کرتی ہوں۔ کہ خدا ایسا دن کسی کو نہ دکھائے ✤

میری حالت میرے شوہر سے بدتر تھی۔ اور میرے شوہر کی حالت مجھ سے بدتر تھی۔ مگر ہونا کیا تھا؟ اس سخت صدمہ سے میرے شوہر از حد دل برداشتہ ہو گئے + ان کی ایک بہن بھی تھیں۔ جو کلکتے میں بیاہی ہوئی تھیں۔ لیکن عرصے سے آپس میں کچھ ایسی اَن بَن ہو چکی تھی کہ خط و کتابت رسم و راہ بہت بند تھی۔ گویا ہیں ہی نہیں + اب جو میرے شوہر کلکتے میں گئے۔ تو کسی طرح بہن سے صلح صفائی ہو گئی + بچے کے مرنے کی خبر سُن کر بہن پُرسے کو بھی آ گئیں۔ اور مَیں نے اپنی شادی کے بعد اب اُنہیں پہل پہل دیکھا + بھلا انہیں تو بچے کا کیا رنج ہوتا۔ کہ اُنہوں نے اس عزیز کو دیکھا ہی نہیں تھا۔ مگر خیر دنیاداری کے طریق پر کچھ رنج کرنے لگیں ✤

فصل دہم

میرے شوہر کو اگرچہ صدمہ تو سخت ہوا۔ مگر مرد تھے دو چار گھڑی باہر جا بیٹھتے۔ دوستوں آشناؤں میں دل بہل جاتا۔ مگر میرے سینے میں یوسف کی تصویر کھنچی تھی۔ اس کے بعد میری زیست بالکل بے کار ہوگئی۔ اور اب مجھ میں کچھ باقی نہ رہا۔ نہ کھانے کا ہوش نہ پینے کا ہوش۔ رات دن یوسف کی تصویر چھاتی پر رکھے پڑی روتی رہتی + ہرچند میری والدہ اور اَور عزیز جو بعض بعض موقعوں پر میری ہمدردی و دلجوئی کو آیا کرتے تھے۔ مجھے سمجھاتے بجھاتے۔ مگر میرا دل ایسا گرا کہ پھر نہ اُبھرا۔

جیتا رہے آصف رہتی دُنیا تک مجھے وہ بھی بُرا لگتا تھا۔ اور سچ تو یہ ہے۔ کہ مَیں اُسے دو دو دن آنکھ بھر کر نہ دیکھتی تھی + وہ اپنی نانی اور خالاؤں ہی کے پاس رہتا + دودھ پلانے کو دایہ مقرر تھی۔ وہ دودھ پلا دیتی + میرے یوسف کو ایک ماہ ہوگیا میرے عزیز رُخصت ہوئے۔ مگر میری حالت جُوں کی تُوں ہی رہی + میرے والد نے تو مجھے لے جانا بھی چاہا۔ کہ یہاں بچّے کے کھیل کود کی جگہ کو دیکھ دیکھ کر غم زدہ رہتی ہے۔ وہاں جاکر

Taj Tahir Foundation

اس کا دل بہلے گا۔ مگر میرے شوہر نے کہا۔ کہ ان کے جانے سے میرا دل اَور زیادہ غمگین ہو گا۔ گھڑی دو گھڑی مجھے اُن سے تسلّی ہوتی ہے + یہ سُن کر میرے والدین مجھے چھوڑ گئے +

کچھ تو آج کل پر بات ڈالنے کی عادت یُوں ہی میری گھٹّی میں پڑی ہوئی تھی۔ اور اب تو بھلا بچّے کے غم نے رہا سہا مجھے نکمّا کر دیا + آٹھوں پہر بس بچّے ہی کا تصوّر۔ بقول میر حسن ؎

نہ ہنسنا کسی سے نہ کچھ بولنا — سدا باب اندوہ کو کھولنا
اگر شام کھانا سحر کچھ نہیں — تن اپنے کی اس کو خبر کچھ نہیں
کہا گر کسی نے کہ کچھ کھائیے — تو کہہ دینا بہتر ہے لے آئیے
جو پانی پلانا تو پینا اُسے — غرض غیر کے ہاتھ جینا اُسے

میری نند نے میرا یہ حال دیکھ کر میرے شوہر کے کان بھرنے شروع کئے۔ اور ان کو طرح طرح سے یہ سمجھایا گیا کہ تمہارے گھر کی تباہی اور بچّے کے مرنے کا باعث اصل میں یہی نحس عورت ہے۔ اور بہتر ہے کہ تم اُسے اس کے میکے بھیج دو۔ اور خود دوسرا نکاح کر لو + اگر اس کے والدین نے کوئی عرضی پرچہ کیا تو کیا ہے۔ خدا نے بہتیرا دیا ہے۔ کچھ خرچ مقرر کر دینا + خدا جانے میرے شوہر کی عقل میں کیا آیا۔ کہ اُنھوں

نے یہی کیا۔ اور مجھے کہنے لگے۔ کہ بیگم یہاں تمہارا جی اچھا نہیں رہتا۔ اور تم رنجیدہ رہتی ہو۔ چلو تم کو تمہارے میکے چھوڑ آؤں۔ کوئی دن دل بہلے گا+ مَیں نے کہا کہ میرا دل بہل چکا۔ نہ یوسف ملے گا۔ نہ میری آنکھوں کے سامنے کھیلے گا+ میرے شوہر نے میری تشفی کی۔ اور کہا کہ نہیں تم اپنے دل کو مت کڑھاؤ۔ دیکھو آصف کیسا پیارا بچّہ ہے۔ اس سے دل بہلایا کرو۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ بیگم آصف کو ساتھ نہ لے جانا+

اب تو میرے کان کھڑے ہوئے+ مَیں نے کہا کہ آٹھ ماہ کا معصوم بچّہ مَیں کس پر چھوڑ جاؤں؟ کہنے لگے۔ کہ آپا جو ہیں۔ وہ اس کا خیال رکھیں گی+ اگر تم ساتھ لے گئیں۔ تو وہاں اس قدر آرام سے نہ رہے گا۔ جس قدر یہاں رہے گا+ مَیں نے کہا تو پھر میرا دل کیا خاک بہلے گا۔ ایک بچّہ مر کر چھوٹا۔ دوسرے کو جیتے جی چھوڑ جاؤں۔ ذرا ہوش کی دوا کرو۔ اور عقل کی باتیں کیا کرو+

یہ سُن کر وہ چُپکے ہو رہے+ اور آخر میں آصف سمیت میکے چلی آئی+ یہاں آکر میری طبیعت بہت مضمحل رہنے لگی۔ اور مجھے ہر روز بخار آنے لگا+ دو ماہ میکے آئے کو ہوگئے+ مَیں نے دیکھا

Taj Tahir Foundation

کہ میرے شوہر کا رنگ ہی بے رنگ ہے۔ اگرچہ خط برابر آتے ہیں
مگر اس شوق اور محبّت سے نہیں جو پہلے ہوا کرتا تھا + مَیں نے اپنے
آپ کو ہی کچھ ایسا مریل بنا لیا تھا۔ کہ نہ کسی بات کی مجھے خوشی ہوتی
نہ کسی کا رنج۔ مخبوط الحواس سی رہتی + میری علالت اور کمزوری
دن بدن بڑھتی گئی + میرے والد کو خطرہ ہؤا۔ اور اُنہوں نے
لیڈی ڈاکٹر کو دکھایا + لیڈی ڈاکٹر نے کہا۔ کہ شش صاف نہیں
اس میں کچھ خرابی معلوم ہوتی ہے۔ علاج کوشش سے کرو۔
ورنہ مرض خطرناک ہو جائے گا + مَیں نے لیڈی ڈاکٹر کا بیان
اپنے شوہر کو تو لکھ دیا۔ مگر خود کچھ نہ کیا + یہی سوچتی رہی کل دوا
منگاؤں گی + ایک تو اپنی اس عادت کے باعث دوسرے
اس رنج کے باعث جو یوسف کا تھا۔ میرا جی چاہتا تھا۔ کہ مَیں
مَر ہی جاؤں تو اچھا ہو۔ اس لئے کچھ دوا دارو نہ کی + میرے والد
مجھے بہت سمجھاتے اور کہتے کہ تم اِتنی عالم ہو کر کوڑ مغز ہو گئیں۔
کہ رضا آلہی پر صبر و شکر نہیں کرتیں۔ اس کے کیا معنی ہیں۔
مگر مجھ پر کچھ اثر نہ ہوتا۔ تقدیر کے لکھے کو کون مٹا سکتا ہے؟
مجھے بڑا تعجب ہؤا۔ کہ جب میرے شوہر نے خلاف معمول
میری بیماری کے خط کے جواب میں مجھے یہ لکھا۔ کہ بیماری کچھ

نہیں دراصل رنج سے تمہارا یہ حال ہے۔ رنج مت کیا کرو +
حالانکہ پہلے جب کبھی میری ذراسی بیماری کی خبر سُنتے۔ تو ایسے
بے چین ہوجاتے تھے۔ کہ جب تک سو پچاس روپیہ میرے دوا
دارو پر نہ اُٹھالیں قرار نہ آتا۔ یا اب یہ سرد مہری + مجھ کمبخت
نے اس کا بھی چنداں خیال نہ کیا + اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ
اب میرا جی چاہتا تھا۔ کہ مَیں سُسرال جاؤں۔ مگر تین ماہ ہو
گئے۔ اور میرے شوہر نے مجھے نہ بُلایا۔ ہمیشہ کوئی نہ کوئی عذر
ہی لکھتے رہے۔ اگر میری عقل نہ ماری ہوتی۔ تو مَیں بن بلائے
چلی جاتی۔ آخر میرا گھر تھا۔ بے گانہ گھر تو نہ تھا۔ مگر مَیں اُن کے
بُلانے کے انتظار ہی میں رہی کہ ایک اَور آفت مجھ پر ٹوٹی +
وہ کیا؟ وہ یہ کہ دایہ ہمیشہ آصف کو ہواخوری کے لئے سرِ شام
باغ میں لے جایا کرتی تھی۔ اور جھٹ پٹے وقت آجاتی تھی +
ایک روز ایسی گئی کہ انتظار کرتے کرتے آنکھیں تھک گئیں۔
اور دایہ نہ پلٹی + اب تو بڑی گھبراہٹ ہوئی + تمام جگہ تلاش
ہونی شروع ہوئی + دیکھا تو باغ میں ہاتھ گاڑی تو ضرور
کھڑی ہے۔ باقی نہ دایہ ہے۔ نہ بچّہ + اب کیا ہو؟ میرا تو جو
حال ہوا۔ مَیں بیان نہیں کرسکتی۔ مگر میرے والدین کے بھی

Taj Tahir Foundation

کاٹو تو بدن میں لہو نہ تھا + والدہ سر ننگا کر کے دعائیں مانگتی اور سجدے دیتی تھیں۔ کہ الٰہی میری شرم رکھیو + والد جُدا پریشان۔ بھائی جُدا بے چین۔ بچّے اور دایہ کو تلاش کرتے کرتے تھک گئے + آخر میرے شوہر کو تار دیا گیا + وہاں سے تار میں یہ جواب آیا۔ کہ اچھا ہوا یہ بچّہ بھی جاتا رہا۔ جان چھُٹ گئی + اس جواب نے رہا سہا ہم لوگوں کو اَور زیادہ بے چین کر دیا + اب کیا کروں ؟ مجھے تو غش پر غش آتے تھے۔ اور اپنے حواس میں نہ تھی +

تیسرے دن میرے شوہر کا ایک رجسٹری خط مجھے ملا۔ اُنہوں نے غالباً یہ سمجھ کر لکھا ہوگا۔ کہ ایسا نہ ہو یہ بے چین ہو کر یہاں آجائے اس خط میں تحریر تھا۔ کہ

"بیگم صاحب مَیں نے اپنے بچّے کو اپنے پاس منگا لیا ہے اور خدا کا شکر ہے۔ کہ وہ مجھے سلامت مل گیا + مَیں نے دایہ سے مل کر اسے تاکید کر رکھی تھی۔ کہ موقعہ پا کر بچّے کو لے کر فوراً روانہ ہو جائے۔ سو اس نے مجھے بچّہ پہنچا دیا ہے + دوسری خبر یہ ہے کہ ڈیڑھ ماہ سے مَیں نے اپنی بہن کی نند سے جس سے بچپن میں میری منگنی ہوئی تھی۔ بیاہ کر لیا ہے۔ اور مَیں بہت آرام میں ہوں۔ تم

Taj Tahir Foundation

سے مَیں رنجیدہ ہوں۔ اور تم کو واپس بُلانا نہیں چاہتا ہوں۔ تاہم تمہارے خرچ کو جو ضرورت ہو وہ دینے کو تیار ہوں+ اُمید ہے۔ کہ تم میری اس مجبوری کو معاف کروگی"۔

یہ خط پڑھ کر مجھ پر گویا ایک بجلی گر پڑی + مَیں تھرتھر کانپی اور ایک چیخ ماری اور پھر بے ہوش ہوگئی + میری والدہ والد آگئے۔ اُنہوں نے مجھے دیکھا۔ نبض چل رہی تھی۔ مگر زندگی کا خاتمہ معلوم ہوتا تھا + مناسب علاج معالجہ کیا۔ اور مجھے ہوش میں لائے۔ میری والدہ نے اس خط کو پڑھا اور پیٹنے لگیں۔ مگر میرے والد بڑے پرہیزگار متقی مولوی تھے۔ اُنہوں نے روکا۔ کہ یہ کیا خلاف شرع حرکتیں کرتی ہو۔ خاموش ہو۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ میرے والد کے چہرے سے بھی یہ صاف عیاں تھا۔ کہ اُن کو ازحد صدمہ گذرا ہے۔

فصل یازدہم

اس زمانے تک میری شادی کو کل پانچواں سال چڑھا تھا۔ بس اس پانچ سال میں میری خوشیوں اور راحتوں کا سب زمانہ طے ہوگیا + مجھے دِق کا عارضہ ہوگیا۔ اور میرا مرض دم بدم

Taj Tahir Foundation

بڑھتا چلا گیا۔ چند روز میں تحلیل ہو کر مشت استخواں رہ گئی + اب یہ عارضہ تیسرے درجے تک پُہنچ چکا ہے۔ کوئی دوا کوئی علاج اسے دور نہیں کر سکتا۔ میرے شوہر نے جب یہ سُنا کہ میرا یہ حال ہو گیا تو اپنی کرنے سے پشیمان ہوئے۔ اور میری محبّت نے پھر جوش کیا مجھے لکھا کہ مَیں تم کو لینے آتا ہوں۔ اور تمہارا کیا حال ہے ؎

اب وہ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ ترا کیا حال ہے
کام ہی یہاں ہو گیا میرا بہت دن ہو گئے

میرے والد نے جو جان چُکے ہیں۔ کہ اب مجھ میں چند سانس ہیں۔ یہ پسند نہ کیا۔ کہ مَیں سُسرال میں جاؤں۔ اور اس حالت میں سوکن کا صدمہ اُٹھاؤں + اُنہوں نے کہا۔ کہ اگر یہ جانہار کسی قابل ہوتی تو مَیں اُسے زبردستی بھی بھیج دیتا۔ مگر اب اس غریب کا خاتمہ ہے۔ اسے آخری وقت میں رنج دینے سے کیا حاصل؟ اس پر اب رحم کرو اور زیادہ نہ ستاؤ +

اس کے بعد میرے شوہر نے مجھے کوئی خط نہیں لکھا۔ نہ آصف کی شکل مجھے دیکھنے دی + مَیں تسلیم کرتی ہوں۔ کہ مجھ سے بہت کوتاہیاں ہوئیں۔ مگر آہ میرے شوہر محبّت کا دعوے کرنے والے شوہر۔ مجھ عاجزہ کے ساتھ اس آخری وقت میں یہ سلوک

تمہارے حوصلہ مردانہ کے خلاف تھا + مَیں سراسر تقصیروار تھی۔ مگر تم خوب جان سکتے تھے۔ کہ مَیں اس سزا کے برداشت کا حوصلہ نہ رکھتی تھی۔ نکاح کر لیا تھا۔ سو کر لیا تھا۔ مگر میرے کلیجے کا ٹکڑا یُوں کاٹ کر نہ لے جاتے۔ اور اس طرح مجھے صدمہ نہ دیتے۔ پیارے یوسف تو گم گشتہ یوسف کی طرح نہیں کھویا گیا۔ مگر ہاں پیارے آصف تو بے شک یوسف گم گشتہ کی طرح مجھ سے جُدا ہو گیا۔ یہ بڑا سخت داغ ہے۔ جسے مَیں آخری وقت میں اپنے ساتھ لے جا رہی ہوں۔ صاحب اولاد ماؤں ذرا اپنی اپنی چھاتی پر ہاتھ رکھ کر میری حالت کا مقابلہ کرو۔ اور سب باتوں کو چھوڑو۔ مگر یہ سوچو کہ جس کے کلیجے کا ٹُکڑا کاٹ کر کوئی لے گیا ہو اُسے کیونکر چین آسکتا ہے؟ مگر کس کو الزام دُوں؟ یہ سب میری شامتِ اعمال کا نتیجہ ہے + اگر مجھ میں یہ عادت نہ ہوتی۔ کہ آج کی بات کل پر ڈالتی۔ تو یقیناً میرا شوہر دوسرا نکاح نہ کرتا + اگر مَیں یوسف کے لئے ناشکروں کی طرح رنج نہ کرتی۔ تو یقیناً خدا مجھ سے میرا دوسرا بچّہ بھی نہ چھینتا + اب مَیں صبر کا مجسم نمونہ بن رہی ہوں۔ اور اپنی گذشتہ عادتوں کو ترک کر چکی ہوں۔ اور جیتی جان توبہ کر لی ہے۔ خدا مجھ بخشے اور میری مشکل آسان کرے ٭

Taj Tahir Foundation

میرا ارادہ تھا کہ مَیں اپنی زندگی کے حالات لکھوں۔ اگر مَیں نے اپنی اس عادت کو نہ چھوڑا ہوتا۔ تو یہ حالات آج کل ہی کر کر کے رہ جاتے۔ اور مرتے دم تک پورے نہ ہوتے۔ لیکن اب اگر مَیں نے اس عادت کو چھوڑا ابھی تو کس کام کا ؎ **قطعہ**

دریں امید بسر شد۔ دریغ عمر عزیز
کہ آنچہ در دلم است از درم فراز آید
امید بستہ بر آمد۔ چہ فائدہ زانکہ
امید نیست کہ عمر گذشتہ باز آید

اگر مَیں اپنے ان حالات کو صحت و تندرستی کے دنوں میں سمجھتی اور لکھتی تو میرے حالات کی ایک موٹی کتاب بن جاتی۔ یہ حالات جو مَیں یہاں لکھ چکی ہوں مختصر یادداشتوں میں سے لئے گئے ہیں۔ تاہم اگر میری اَور بہنیں ان سے کچھ فائدہ اُٹھانا چاہیں تو ان کے لئے عبرت پکڑنے اور نصیحت حاصل کرنے کو یہ سطریں بہت کچھ ہیں ؎

اے میری پیاری بہنو مَیں نے اپنی جان عزیز کھو دی۔ اور کچھ حاصل نہ کیا + اب میری جان جا کر شاید یہ چند سطریں زندہ رہیں۔ ان پر تم عمل کرو۔ اور ان سے کچھ فائدہ اُٹھاؤ تو

مَیں اب بھی یہ جانوں گی - کہ میری زندگی برباد نہیں گئی - بلکہ اس سے کچھ فائدہ حاصل ہُوا - اگرچہ مَیں اس سے ناکام اور ناشاد رہی - لیکن میری اَوْر بہنوں نے اس سے فائدہ اُٹھایا - میری موت کی گھڑی اب میرے سر پر آپُہنچی ہے - اور مَیں دُنیا میں دنوں کی نہیں بلکہ گھڑیوں کی مہمان ہوں - میری انگلیوں میں اب سکت نہیں - قلم چُھوٹا جاتا ہے - جو لکھ لیا سو لکھ لیا

قطعہ

کوسِ رحلت بکوفت دستِ اجل
اے دو چشمم وداع سر بہ کنید
اے کفِ دست و ساعد و بازو
ہمہ تودیع یک دگر بہ کنید
برمن اوفتادہ دشمن کام
آخر اے دوستاں گزر بہ کنید
روزگارم بہ شد بہ نادانی
من نہ کردم شما حذر بہ کنید

Taj Tahir Foundation

زنانہ کتابیں

خانہ داری۔ یہ کتاب سلیس سادہ اور دل نشین پیرائے میں لکھی گئی ہے۔ اس میں ۴۴ مضامین ہیں۔ جو خانہ داری کی تمام ضروریات پر حاوی ہیں۔ امیروں اور غریبوں کے لئے یکساں طور پر مفید ہے۔ اور کامیاب زندگی کی جانب مستورات کی رہنمائی کرتی ہے۔ قیمت ۱۱/

شہیدی بیگم۔ بے سوچے سمجھے شادی کرنے کی خرابیاں دلچسپ پیرائے میں لکھی ہیں۔ ۳/

شریف بیوی۔ ایک شریف بیوی کی چھوٹی سی کہانی جس نے سلائی کی محنت سے اپنے شوہر کے گھر کو بنایا۔ اور رفتہ رفتہ اسے ڈپٹی کلکٹری تک پہنچا دیا۔ قیمت ۲/ پائی

رسوم دہلی۔ دہلی میں بیاہ شادی کے موقع پر جو رسمیں عمل میں آتی ہیں۔ ان سب کا حال اس کتاب میں قصے کے طور پر لکھا ہے۔ قیمت ۲/ پائی

روشنک بیگم۔ ایک تعلیم یافتہ خاتون نے ایک ہندوستانی معزز خاندان کے حالات نہایت دلچسپ پیرائے میں لکھے ہیں۔ اور بتایا ہے۔ کہ تعلیم کی مدد سے کس طرح عزت۔ ناموری اور دولت حاصل ہوتی ہے۔ قیمت ۱۴/۱۰ پائی

رفیق عروس۔ یعنی نئی دلہن کی سہیلی۔ چوتھی بار چھپی ہے۔ اور متعدد مفید مضامین ایزاد کئے گئے ہیں۔ قیمت ۶/۸ پائی

آداب ملاقات۔ آجکل مستورات کو اپنی باہمی ملاقاتوں میں کن کن باتوں کا لحاظ

رکھنا چاہیئے۔ جن کے بغیر بیبیاں بدتمیز اور غیر مہذب کہلاتی ہیں ۔ قیمت ۴؍

نعمت خانہ ۔ ہندوستانی کھانوں کی کتاب جس میں ادنےٰ سے لے کر اعلیٰ تک سب کھانوں کی نہایت صحیح اور آسان ترکیبیں لکھی ہیں ۔ قیمت ۱۰ ؍ ۱ پائی

حیات اشرف ۔ بی بی اشرف النسا بیگم مرحومہ معلّمہ وکٹوریہ گرل سکول لاہور کی مبارک زندگی کے کارآمد حالات ۔ طبع دوم ۔ قیمت ۶؍

صفیہ بیگم ۔ ایک تعلیم یافتہ غمزدہ لڑکی کا قصہ ۔ دردانگیز اور عبرت خیز ۔ طبع دوم ۵؍ ۴ پائی

خوابِ راحت ۔ ہندوستانی طرز کی مشہور مشہور اور نہایت دلچسپ لوریاں اور بچوں کو بہلانے اور خوش کرنے کے فقرے ۔ قیمت ۴؍

انمول موتی ۔ دلچسپ نظم کے ذریعے ادائے فرض کے لئے خدا سے دعا مانگی گئی ہے ۔ قیمت ۸ پائی

سگھڑ بیٹی ۔ یعنی نوعمر لڑکیوں کی ہیلی ۔ پڑھنے والیوں کو سگھڑ بیٹی بناتی ہے ۔ قیمت ۹ ؍

شریف بیٹی ۔ ایک چھوٹی سی لڑکی کا قصہ ۔ جو اپنی محنت اور نیکی سے نیک نام ہوئی اور امیر کبیر بن گئی ۔ قیمت ۲ ؍ ۸ پائی

چندن ہار ۔ قرض کی بُری عادت کے متعلق ایک عبرت انگیز قصہ ۔ قیمت ۱ ؍ ۱ پائی

تین بہنوں کی کہانی ۔ باہمی حسد اور بہن بھائیوں کی محبّت کا دلچسپ قصہ جو الف لیلہ سے بہت آسان کر کے لکھا گیا ہے ۔ قیمت ۳ ؍

دارالاشاعت پنجاب لاہور

(مسلم پرنٹنگ پریس لاہور میں باہتمام بابو مولاداد چھپی)

محترمہ محمدی بیگم مرحومہ کی لکھی ہوئی کتابیں

امتیاز دلچسپی۔ ننھے بچوں کے لئے قاعدے سے ذرا مشکل اور پہلی کتاب سے آسان۔ پچیس تصویردار کہانیاں۔ قیمت ۔ ۔ ۳ر۱ پائی

تاج گیت۔ ننھے بچوں کے لئے بہت ہی آسان شعر۔ قیمت ۱ر۷ پائی

تاج پھول۔ ننھے بچوں کے لئے نصیحت کے آسان سبق اور ضروری آداب ۱؍۔۔۔

دلچسپ کہانیاں۔ بچوں کے پڑھنے کے لئے آسان زبان میں نصیحت اور ہنسی کی بہت اچھی اچھی کہانیاں۔ تصویردار۔ قیمت ۴ر۱ پائی

تین بہنوں کی کہانی۔ باہمی حسد اور بہن بھائیوں کی محبت کا دلچسپ قصہ۔ جو الف لیلہ میں سے لے کر بہت آسان کر کے لکھا گیا ہے۔ ۳ر۰

سگھڑ بیٹی یعنی لڑکیوں کی نو عمر سہیلی۔ پڑھنے والیوں کو سگھڑ بیٹی بناتی ہے ۹ر۰

شریف بیٹی۔ ایک چھوٹی سی لڑکی کا قصہ۔ جو اپنی محنت سے نیک نام ہوئی۔ اور امیر کبیر بن گئی۔ قیمت ۔ ۔

چندن ہار۔ قرض کی عادت کے متعلق ایک عبرت انگیز قصہ ۔ ۱ر۱ پائی

پان کی گلوری۔ ایک ننھی سی پیاری نظم پان پر۔ قیمت ۔ ر

دار الاشاعت پنجاب لاہور

Taj Tahir Foundation
...ARY
....